رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۶

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اِسلامک رِیوُیو مجریہ ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین بی اے ایل ایل بی مُبلّغ اسلام

نمبر (۷)	بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۱ء	جلد (۷)

قیمت سالانہ چار روپے آٹھ آنے

یہ کار ثواب ہے کہ آپ ان رسالجات کی خریداری بڑھائیں کیونکہ انہیں رسالوں کی آمد بہت حد تک مسلم ووکنگ مشن کے اخراجات کی کفیل ہے سالانہ ایک سو نسخ اشاعت ووکنگ مسلم مشن کے ایک تہائی اخراجات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے

درخواستہائے خریداری بنام خواجہ عبد الغنی منیجر اشاعت اسلام لاہور آنی چاہئیں

ضروری اعلان

(۱) تمام ترسیل زر متعلقہ رسالہ ہذا و اسلامک ریویو ووکنگ مشن بنام فنانشل سکرٹری ووکنگ مسلم مشن عزیز منزل لاہور اور باقی کل خط و کتابت بنام مینیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل لاہور ہونی چاہیئے
(۲) اشاعت اسلام ماہواری رسالہ ہے اور ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو لاہور سے شائع ہوتا ہے

مینیجر رسالہ اشاعت اسلام

زکوۃ و صدقات کا بہترین مصرف

از روئے تعلیم قرآن اشاعت اسلام بھی مصرف زکوۃ ہے اگر آپ صرف زکوۃ کو ان رسالوں کی مفت تقسیم پر یا اس اسلامی مشن کی دیگر ضروریات پر خرچ کریں تو آپ اپنے فرض سے سبکدوش ہونگے - مینیجر

اسلام کی سخت احتیاج

اس وقت یہ ہے کہ اسکی اصل تعلیم کو بلاد غربیہ کے کونوں میں پہنچایا جائے اور اسکے چہرے پر سے ان بدنما داغوں کو دور کیا جائے جو یادریوں کی افترا کا نتیجہ ہیں مسلمانو! اس کام میں ہماری مدد کرو - مینیجر

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

خطبات غربیہ

قیمت فی خطبہ ۳ / مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری ایڈیٹر اسلامک ریویو مجدد ووکنگ (انگلستان) یہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں جو حضرت خواجہ صاحب نے اپنے قیام لندن میں نا آشنایان اسلام کو اسلام سے معروف کرانے اور ان پر حقانیت اسلام متحقق کرانے کیلئے انگلستان فرانس اور سکاٹلینڈ کے مختلف مقامات پر تقریریں کیں اور لیکچر دیئے اور بعض احباب کی فرمائش پر اردو میں ترجمہ کر کے چھاپے گئے ہیں جو ذیل میں درج ہیں :-

۱ - سلسلہ خطبات غربیہ موسوم بہ مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات
۲ - " " " توحید و عالم تصوف
۳ - " " " خطبات عیدین
۴ - دہریوں اور ملحدین کو خطاب
۵ - اسلام اور دیگر مذاہب
۶ - حقوق النسوان

[illegible]

بقیہ فہرست ٹائیٹل کے آخری صفحہ پر درج ہے +

Mr. H Omar Flight.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

جلد (۷) بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۱ء نمبر (۷)

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شذرات	... مترجم	۳۹۰
۲	ہندوستان میں تبلیغ اسلام	از جناب مولوی مصطفیٰ خان صاحب بی اے	۳۹۱
۳	رسید زر	فنانشل سکرٹری مسلم مشن ووکنگ	۳۹۲
۴	اسلام اور مفہوم اسلام	از حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری	۳۹۷
۵	برکاتِ مصائب	از جناب حافظ محمد حسن صاحب بی اے	۴۲۷
۶	مسیحی سائنس	ایک صوفی کی قلم سے	۴۳۴

شذرات

اس ماہ کے رسالہ کے ساتھ مسٹر ایچ عمر فلابیٹ کی تصویر شائع کیجاتی ہے +

سال ۱۹۱۸ء و ۱۹۱۹ء کا حساب حضرت خواجہ صاحب کی طویل علالت طبع کی وجہ سے معرضِ التوا میں رہا - جو حضرت خواجہ صاحب کی ہدایات کے ماتحت اب دفتر لاہور میں مرتب ہو چکا ہے - انشاء اللہ تعالیٰ اگست ۱۹۲۱ء کے رسالہ میں ہدیۂ ناظرین کرام کر دیا جاویگا +

گرانی اشیاء مطبع و کاغذ و دیگر مصارف نے ہمیں مجبور کر دیا - کہ رسالۂ اشاعتِ اسلام کا سالانہ چندہ بجائے تے رسالانہ کے للعہ رسالانہ کر دیا جائے اضافہ چندہ مبلغ عہ جن کرمفرماؤں کے ذمہ واجب الادا تھا - انکی خدمتمیں متفرداً دفتر رسالا اشاعت اسلام سے خطوط بھی ارسال کئے گئے تھے جس پر بعض احباب نے ہمارے پیش آمدہ اخراجات کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ازراہِ ہمدردی مثل اضافہ چندہ ارسال بھی فرمایا جس کے ہم تہ دل سے ممنون ہیں - باقی بھی خواہان کیخدمتمیں بھی استدعا ہے - کہ اضافہ چندہ جن کے ذمہ ہے - وہ بھی ارسال فرما کر ممنون فرمائیں +

رسالۂ اسلامک ریویو انگریزی مجریہ ووکنگ انگلستان کا چندہ بھی گرانی اشیاء مطبع کی وجہ سے مئی ۱۹۲۱ء سے بجائے صہ رسالانہ کے عہ کیا گیا ہے - اور بصفت تقسیم رسالۂ انگریزی کی شرح صہ رسالانہ ہے +

ناظرین کرام ازراہِ کرم اپنے حلقۂ اثر میں تحریک توسیع اشاعت رسالجات فرماکر عنداللہ

ماجور ہوں - ان ہر دو رسالجات کی توسیع اشاعت گویا یورپ میں اشاعتِ اسلام کے مہتم بالشان کام کو مالی تقویت دینی ہے - کیونکہ انہی ہر دو رسالجات کا منافع بہت حد تک مشن انگلستان کے اخراجات عظیم کا کفیل ہے - اگر ہمارے ناظرین کرام میں سے ہر ایک ایک جدید خریدار اردو رسالہ کا اور ایک خریدار انگریزی رسالہ کا بہم پہنچا دیں - تو ہمارا حلقۂ خریداری بہت وسیع ہو سکتا ہے +

رسالہ ہذا میں حضرت خواجہ صاحب کا مضمون "اسلام اور مفہوم اسلام" ناظرین کے قابلِ مطالعہ ہے +

ہندوستان میں تبلیغ اسلام

نمبر ۲

از جناب مولوی مصطفےٰ خانصاحب بی اے

سلسلہ کے لئے دیکھو اشاعت اسلام بابت ماہ مئی ۱۹۲۱ء

صُوبہ بمبئی کے بڑے بڑے تجارتی مرکزوں اور خاص شہر بمبئی میں بھی اس وقت خوجوں اور بوہروں کی بہت بڑی جماعتیں موجود ہیں ان میں بکثرت مالدار تاجر ہیں جو ابتدا میں ہندو تھے - لیکن وہ واعظینِ اسلام کی ہمت و کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہُوئے - ان واعظین (اسلامی مشنریوں) میں سے زیادہ تر مشہور پیر صدرُالدین اور عبدُاللہ تھے - عبدُاللہ کی نسبت کہتے ہیں - کہ وہ ایک بہت بڑے عالم اور زاہد تھے - اور آپ سے کرامات بھی ظاہر ہوتی تھیں - اس شخص کی برکت سے بہت سے ہندو اسلام میں داخل ہوئے - اسلئے بعض کا خیال ہے - کہ وہی بوہرہ قوم کے بانی مبانی تھے لیکن بعض کہتے ہیں - کہ بوہروں کو ایک ملا علی نامی مبلغِ اسلام نے مسلمان کیا جس کے متعلق ایک اہلِ تشیعہ مؤرخ نے حسب ذیل تحریر کیا ہے :-

چونکہ ان دنوں گجرات کے لوگ کفر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور ان کا مذہبی پیشرو ایک بوڑھا شخص تھا۔ جس کی تعلیم پر وہ بلا سوچے سمجھے عمل کرتے تھے۔ ملا علی نے لہٰذا یہی بہتر سمجھا کہ اس بوڑھے کی خدمت حاضر ہو کر اس کا چیلا بن جائے۔ تاکہ اسلام کو اس کے روبرو بدلائل پیش کر کے اُسے مسلمان کرے۔ اور بعد ازاں دوسروں کو بھی اسلام کے جھنڈے تلے لے آئے۔ چنانچہ ملا علی نے چند سال اس بوڑھے شخص کی خدمت میں صرف کئے۔ اور اس علاقہ کے لوگوں کی زبان سیکھ کر اُن کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور ان کے علوم سے واقفیت پیدا کی۔ پھر رفتہ رفتہ مذہب اسلام کی صداقت اُس عالم پر ظاہر کی۔ اور اُسے مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ اس بوڑھے کے اسلام لانے پر اس کے بعض چیلوں نے بھی اسکی تقلید کی۔ آخرش اس ملک کے حکمران کا وزیر اعظم بھی اس بوڑھے کے تبدیل مذہب کی خبر پاکر اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اسکی روحانی تعلیم اور ہدایات کے مطابق وہ بھی اسلام میں داخل ہوگیا۔ مدت تک تو اُس بوڑھے نے اور وزیر اعظم اور دیگر نومسلموں نے اپنے نئے مذہب کا اظہار بادشاہ کے خوف سے نہ کیا اور اسے اس امر کا علم نہ ہونے دیا۔ آخرش بادشاہ کے پاس وزیر کے مسلمان ہونے کی رپورٹ پہنچی۔ اور اُس نے اس کے متعلق تحقیقات شروع کی۔ چنانچہ وہ ایکدن بلا اطلاع وزیر کے گھر پہنچا۔ اور اُسے نماز کی حالت میں سربسجود پاکر کبیدہ خاطر ہوا وزیر بادشاہ کی آمد کی غرض کو پاکر تاڑ گیا۔ کہ اس کے سربسجود ہونے کی وجہ سے بادشاہ کے دل میں شکوک پیدا ہوئے ہیں جو اسکی ناراضگی کا موجب ہوئے ہیں لیکن اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اسکی یاری کی۔ اور اس نے کہا۔ کہ وہ اس قسم کی حرکات اسلئے کر رہا تھا۔ کہ اُسے اس کمرہ کے کونہ میں ایک سانپ دکھائی دیا تھا۔ اور جب بادشاہ اس کونہ کی طرف گیا۔ تو اتفاقاً اسکی نظر ایک سانپ پر پڑی اس طرح اس کے دل سے تمام شبہات دور ہوئے۔ اور اس نے وزیر کی بات کو صحیح تسلیم کیا۔ کچھ مدت کے بعد خود بادشاہ نے بھی خفیہ طور پر اسلام قبول کیا۔ اور اپنے نئے

عقیدہ کا اظہار مصلحتِ ملکی کی وجہ سے نہ کیا لیکن جب اسکی موت کا وقت نزدیک آیا تو اس نے حکم دیا۔ کہ اسکی لاش کافروں کی طرح جلائی نہ جائے ؀

کچھ اور گجرات کے بہت سے مسلمان بھی ہندو نسل کے ہیں مسلمان واعظین کی کوشش اور سعی سے وہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان واعظین کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ وہ نہ صرف تلقین و وعظ ہی کیا کرتے تھے بلکہ صاحب کرامت بھی تھے مثلاً ان میں سے ایک کی دُعا سے جس کا نام امام شاہ سکنہ پیرانا تھا دو سال کی امساک باراں کے بعد رحمت الٰہی کا نزول بشکل بارش ہوا" ؀

بنگال میں بھی ان اسلامی واعظین کی کوشش بہت بارور ثابت ہوئی ہے اس وجہ سے نہیں کہ وہاں اسلامی سلطنت تھی۔ بلکہ عوام اُس ذلت کی زندگی سے نکلنا چاہتے تھے۔ جو ہندو مذہب نے اُن کیلئے مقدر کر رکھی تھی۔ اس علاقہ کے بیرونجات اور دیہات میں مسلمانوں کے بکثرت ہوتے اور اسلامی دارالسلطنت میں ان کے بہت کم پائے جانے سے بھی ہمارے خیال بالا کی تائید ہوتی ہے۔ ان اسلامی مشنریوں میں مذہبی جوش صد درجہ کا تھا۔ اور وہ خدا کی وحدانیت اور مساوات انسانی کی تعلیم لوگوں کو دیتے تھے۔ جو اس قسم کے لوگوں کے لئے خدا کی طرف سے ایک برکت کے رنگ میں تھی جنکی تربیت اور پرورش ایسے حالات کے ماتحت ہوئی تھی جو مذہب و ملت کے دلسوز تفرقہ کے مؤید تھے۔ اس نئے مذہب کی سادگی اللہ تعالےٰ کے یکساں فضل انسانی مساوات اور سب سے بڑھکر خدا کے متعلق اعلےٰ اور وسیع خیال نے لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر کیا۔ اور وہ شرح صدر کے ساتھ حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ اس وقت حکمران قوم کا مذہب بھی اسلام ہی تھا ممکن ہے کہ بعض لوگ دنیاوی حکومت کے اثر سے ہی مسلمان ہوئے ہوں۔ کیونکہ حکمرانوں کے مذہب پر چلنے کا میلان بھی بعض کے دل میں ہوتا ہے۔ تاہم اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ کہ اسلام کی رُوحانی فتح بنگالہ میں بالخصوص اس کے مبلغین کی ہمت و کوشش سے ہوئی ؀

اِس جگہ ایک بین ثبوت اِس امر کے متعلق پیش کیا جاتا ہے۔ کہ کس طرح اسلام کی تعلیم نے ایک ایسے حکمران پر اثر کیا۔ جو کسی دنیاوی غرض و لالچ کی وجہ سے کبھی بھی اپنا مذہب تبدیل نہ کرتا۔ یہی راجہ کنس کا بیٹا جیمل نامی ہندو مذہب کو ترک کر کے خفیہ طور پر اسلام کا معتقد ہوگیا۔ جب ۱۴۱۴ء میں اس کے باپ کا انتقال ہوا۔ تو اس نے تمام افسروں کو جمع کر کے مسلمان ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور اس امر کا بھی اعلان کر دیا۔ کہ اگر امرا و وزرا اس وجہ سے تخت نشینی کے خلاف ہوں تو وہ حکومت اپنے بھائی کے سپرد کرنے پر بالکل آمادہ ہے۔ اس پر انہوں نے عرض کیا۔ کہ وہ اسے بلا لحاظ مذہب بادشاہ تسلیم کرنے پر رضامند ہیں چنانچہ چند ایک مسلمان عالم بلوائے گئے۔ اور اس کے رُوبرُو راجہ مذکور نے ہندو مذہب کو چھوڑ علے الاعلان اسلام کو قبول کیا۔ اس کا نام جلال الدین محمد شاہ رکھا گیا۔ اور تاریخ بتلاتی ہے۔ کہ اس کے زمانے میں بہت سے لوگ مسلمان ہوئے +

ان تمام اسلامی مشنریوں کے نام جنہوں نے بنگالہ میں کام کیا۔ ہم تک نہیں پہنچے لیکن ابتدائے زمانہ میں سب سے اعلےٰ کام کرنیوالوں میں سے شیخ جلال الدین صاحب کا نام ملتا ہے جو کہ ایک مشہور ولی اللہ حضرت شہاب الدین صاحب سہروردی کے شاگرد تھے سیر و سیاحت کرتے ہوئے وہ بنگالہ پہنچے۔ اور اس جگہ مدت تک قیام کیا۔ ۱۲۴۴ء میں اِس بزرگ کا انتقال ہوا۔ اسکی مزار کا کہیں پتہ نہیں ملتا لیکن بنگالہ میں ایک مشہور مقبرہ اسکی یادگار میں تعمیر کرایا گیا تھا +

میں نے ہندوستان کے بڑے بڑے علاقوں میں ترقی و تبلیغ اسلام کا ذکر اُوپر کیا ہے۔ اور بتلایا ہے کہ کس طرح مسلمان مشنریوں نے اسلام کیلئے جدوجہد کی۔ لیکن بعض ایسے مشہور مبلغین بھی گذرے ہیں جن کا اثر مذہبی رنگ میں تمام ملک پر ہو رہا ہے مثلاً حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتی۔ یہ بزرگ گو اجمیر ہی میں قیام فرما ہوئے۔ اور اسی جگہ انکا وصال بھی ہوا۔ لیکن تمام ہندوستان بھر میں انکے نام کی تعظیم ہوتی ہے۔ ان کا اصل وطن ایران تھا۔ اور وہ نہایت دیندار اور جید عالم

تھے۔ جب وہ حج کو تشریف لے گئے تو مکّہ معظمہ میں انہوں نے رسول اکرم صلعم کی زیارت خواب میں کی۔ آپ نے انہیں یوں فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ نے ہندوستان تمہارے سپرد کیا ہے۔ وہاں جاکر اجمیر میں سکُونت اختیار کرو۔ تمہارے اور تمہارے مریدوں کے زہد و تقوےٰ سے انشاء اللہ اس سرزمین میں اسلام پھیلیگا"۔

اِس فرمان کے مطابق حضرت چشتی صاحب ہندوستان میں تشریف لائے۔ اور اجمیر میں سکونت اختیار کی۔ پہلا شخص جس نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ایک جوگی تھا جو کسی راجہ کا گرو تھا۔ رفتہ رفتہ تمام ہندوستان میں انکا نام مشہور ہوگیا اور اجمیر ایک مذہبی مرکز سمجھا جانے لگا۔ جب وہ اجمیر تشریف لیجارہے تھے تو انہوں نے دہلی میں قریباً سات سو آدمی مسلمان کئے۔ انہیں لوگ بڑی عزت سے اسوقت تک یاد کرتے ہیں۔ اور ہر سال اجمیر ایک عُرس ان کی یادگار میں ہوتا ہے۔ اور ہر طرف سے لوگ ان کی قبر کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ ایکدوسرے صاحب بھی جنہوں نے اسلام کے لئے بڑی کامیابی سے سعی کی سید جلال الدین صاحب ہیں جو کہ ۱۱۹۹ء میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ یہ صاحب ہند میں آکر اوچ میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور بہت سے لوگوں کو اسلام میں داخل کیا۔ ان کی اولاد ان کے مقبرہ کی متولی ہے۔ اور لوگ انہیں عزّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے پوتے حضرت سیّد مخدوم جہانیاں تھے۔ جنہوں نے نہایت کامیابی سے تبلیغ اسلام کا کام کیا۔ اور پنجاب میں بعض قوموں کو حلقۂ اسلام کے اندر لانے کا سہرا انہیں کے سر پر ہے +

بارھویں صدی کے اخیر میں عراق (ایران) سے ایک اور مبلغ ہندوستان میں تشریف لائے۔ اور دہلی کے قریب شہر پانی پت میں انہوں نے سکونت اختیار کی۔ ان کا اسم گرامی بو علی قلندر تھا۔ اس شہر میں ایک کثیر تعداد معزز مسلمانوں راجپوتوں کی ہے جن کا بیان ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ امر سنگھ اسی بزرگ کی بدولت نعمتِ اسلام سے متمتع ہوا۔ اسی طرح تبلیغی کام ہند میں جاری رہا۔ مگر انیسویں صدی کے آخری حصہ

میں دائرہ اسلام کو وسیع کرنے کی کوشش از سر نو بڑی کامیابی سے کی گئی - چونکہ یہ کام محض مختلف افراد نے کیا تھا - اس لئے کوئی تفصیلی رپورٹ اسکے متعلق موجود نہیں لیکن مختلف ذرائع سے جو خبریں ہم تک پہنچی ہیں ان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی مبلغ ہمیشہ اپنے کام میں مصروف رہتے تھے - اور سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں کو مسلمان کیا کرتے تھے - حاجی محمد صاحب مبلغ اسلام کے متعلق لکھا ہے - کہ انہوں نے قریباً دو لاکھ ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام کیا - ممکن ہے کہ یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہ ہو لیکن اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ مبلغین اسلام نے بہت بڑی روحانی فتوحات کیں جن کے لئے وہ کسی مسلمان حکمران کے مشکور و ممنون نہیں +

(باقی آیندہ)

رسید زر

بیکم مارچ ۱۹۲۱ء لغایت اخیر اپریل ۱۹۲۱ء

امداد مشن جناب منہاج الدین صاحب انجنیر نہر مردان صر/
" " شیخ خدا بخش صاحب مردان عہ ۲/
" " عبدالرحمن خان صاحب لکھنو عہ ۲۵/
مفت تقسیم سارہ عالیجناب میجر پرنس حاجی حمید اللہ خان صاحب بھوپال ۵/
امداد مشن جناب ٹی محمد یوسف بنگلور ضر/
" " صفدر علی محمد صاحب تاجر پشاور صر/
" " سید امیر شاہ صاحب میانوالی سے/
" " پیر محمد خان صاحب ۱۳/
" " بابو فضل کریم صاحب پشاور عہ/
" " بابو مظفر احمد صاحب بالاکنڈ عہ/
" " حاجی شیخ محمد صاحب گجرات عہ ۲۵/
" " کھنڈے خان صاحب رہتک ع/
امداد و مفت نعیم محمد اسلم خان صاحب مردان ۱۲۱/

امداد مشن - جناب منہاج الدین صاحب مردان صر/
" " " شیر محمد صاحب " " سے/
" " " بدر الدین عہ
" " " شیخ خدا بخش صاحب مردان عہ ۱۰/ ۲/
" " " محمد حبیب اللہ خان صاحب سیٹھ چھاونی صر/
" " " معلوم الاسم ڈاکٹر صاحب از Pyawbwe عہ
" " " شیر محمد صاحب سیالکوٹ عہ ۱۰/
" " " محمد احمد اللہ خان صاحب مردان سے/
" " " گل محمد صاحب کلکتہ عہ ۱۰/
مفت تقسیم " " " صر/
امداد مشن جناب امیر بخش صاحب لدھیانہ عہ ۲۰/

مندرجہ بالا رقوم بصد شکر یہ درج کیجاتی ہیں - جزاکم اللہ واحسن الجزا +

فنانشل سکرٹری مسلم مشن ووکنگ - عزیز منزل لاہور

اسلام اور مفہومِ اسلام

ذیل کا لیکچر حضرت خواجہ صاحب نے بصدارت ڈاکٹر ونسٹڈ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن سنگاپور بمقام ٹاؤن ہال سنگاپور دیا۔ جہاں سامعین کی تعداد ہزار دو ہزار تھی اس لیکچر کا خاص حصہ یورپین کمیونٹی تھی۔ دراصل جن کی درخواست پر یہ لیکچر دیا گیا۔ مترجم

ایک سرسری نگاہ سے بھی اگر آپ صحیفۂ قدرت کا مطالعہ کریں۔ تو ہر ایک چیز ہمارے اِردگرد شاہراہ ترقی پر گامزن نظر آتی ہے۔ ہر ایک چیز میں قوتیں اور اِستعدادیں چھپی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جن کے اِظہار اور نمو کے لئے یہ چیزیں وقت اور حالات کی مُنتظر رہتی ہیں۔ ہر ایک چیز کا قدم آگے ہی نظر آتا ہے اور یہ سب کچھ ایک مُقررہ قانون کی اطاعت میں ہو رہا ہے۔ گویا ہر ایک چیز کیلئے ایک مُقررہ کمال ہے۔ جس کے حصُول کے لئے اسے ایک مقررہ راہ پر چلنا اور یہ راہ دستِ قدرت نے اُسکے لئے پہلے ہی سے مُقرر کر رکھا ہے۔ یہ چیزیں بلاتامل اُن مُقرر کردہ قوانین اور راہوں پر چل رہی ہیں۔ اور اس طرح حقیقی نشوونما پا لیتی ہیں۔ ان بڑے بڑے مظاہرِ قدرت کو بھی دیکھئے۔ جن سے زمین و آسمان آراستہ ہیں۔ ان کی زندگی اُن کا گھٹنا بڑھنا۔ ان کا ایکدوسرے کو فائدہ پہنچانا یہ سب کا سب کارخانہ قوانین کی زنجیروں میں جکڑا ہُوا ہے۔ گویا خُدا کی طرف سے بنے بنائے قوانین صحیفۂ قدرت کی ہر ایک چیز کیلئے مُقرر ہیں۔ جن پر چلنے کیلئے وہ مجبُور ہے۔ اِن قوانینِ الٰہیہ کی اطاعت کو عربی زبان میں اسلام کہتے ہیں۔ اِن مذکورہ بالا حقائق کو کیسے لطیف پیرایہ میں خدا کی کتاب ذیل کے الفاظ میں بیان کرتی ہے:-

اَفَغَیۡرَ دِیۡنِ اللّٰہِ یَبۡغُوۡنَ وَلَہٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّکَرۡہًا وَّاِلَیۡہِ یُرۡجَعُوۡنَ

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ

ترجمہ۔ خدا کے دین کے سوائے کیا یہ لوگ کوئی اور دین تلاش کر سکتے ہیں (کیوں ایسے

اِردگرد نہیں دیکھتے ؟ ہر ایک چیز زمینی و آسمانی طوعاً وکرہاً خدا کی اطاعت میں ہے - اور اسی طرف اُس کا رُخ ہے - خدا کے نزدیک جو دین ہے وہ اسلام ہے یعنے اس کے قوانین پر چلنا +

اِن مقدّس الفاظ میں قرآن مذہب کائنات کی تعریف کرتا ہے جس کا ذرّہ ذرّہ مذہب **اطاعت قوانین** یعنی اسلام پر چل رہا ہے - آخر انسان ہے کیا؟ انہی ذرّات کا ایک مجموعہ ہے - وہ اِن ذرات کی ترکیب کا ایک بہترین ماحصل ہے اور کائنات کا ایک افضلتر نمونہ ہے - وہ اِس مذہب سے کب خالی رہ سکتا ہے اس مذہب سے الگ ہونا گویا اپنی فطرت سے الگ ہونا ہے - وہ اِن چیزوں کے میلان سے جن سے اسکے جسم نے ترقی پائی ہے کب الگ ہو سکتا ہے - نیچر کا ذرّہ ذرّہ اس کے جسم میں آ جمع ہوا ہے - ہر ذرّہ کا مذہب اسلام یعنی اطاعتِ قوانین ہے - تو مجموعہ ذرّات یعنی اِنسان کس طرح اس مذہب سے جُدا ہو سکتا ہے - اِنسان کو عالم صغیر کہا گیا - اس کے اجزاے بدن کو چھوڑ جو اُس کے اعضاء و جوارح ہیں ان کے ساتھ بھی ایک نہ ایک قانون لگا ہوا ہے - جنکی اطاعت پر ان جوارح کی ہستی اور ان کا ایکدوسرے کے مفید ہونا منحصر ہے - اِنسان کی اپنی فطرت بھی مقررہ قوانین کی اطاعت پر مجبور ہے - مذہب حقّہ انسان کیلئے وہی ہے - جو اسکی فطرت کے مطابق ہے اسکی فطرت کی اطاعت ہی دراصل اس کا مذہب ہو سکتا ہے یہی وہ حقیقت ہے جسکی طرف قرآن اشارہ فرماتا ہے

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلك دین القیم

ترجمہ - دین قیم وہ فطرت ہے جس پر خدا تعالے نے اِنسان کو پیدا کیا اِن جامع الفاظ میں قرآن کریم اِنسان کو اس کا مذہب دیتا ہے - اسلام یعنے ان قوانینِ الٰہیہ کی پیروی جن سے ہماری فطرت کے جوہر ظاہر ہوں +

مقصد مذہب

اِس تعریف کے بعد مضمون زیر بحث کا ایک پہلو ہمارے سامنے آجاتا ہے یعنی مقصدِ

مذہب۔ قرآن کریم ذیل کے الفاظ میں اس مقصد کو بیان کرتا ہے۔ اولئك علیٰ هدیً من ربهم واولئك هم المفلحون۔ ترجمہ (خدا کی طرف سے مذہب آکر ایک راہ هدیً پیش کرتا ہے۔ جس پر چلکر انسان فلاح پالیتا ہے۔ لفظ فلاح کے معنے جہاں کامیابی ہیں۔ وہاں اس کے ابتدائی معنے کسی مخفی چیز کا ظاہر ہوجانا ہے حقیقت کامیابی بھی یہی ہے۔ یعنی جسقدر کسی میں استعداد ہو۔ وہ علیٰ وجہ الکمال ظاہر ہو۔ ایک عظیم الشان شاہ بلوط جیسا درخت بڑ یا آم جیسے درخت کا بیج جو ایک چھوٹی سی چیز ہوتی ہے۔ ان سب کی ابتدا اور ایسے ہی ہر پھل پھول والے درخت کی ابتدا تخم سے ہوتی ہے۔ جو دیکھنے کو تو ایک مختصر سی چیز ہے لیکن اسمیں درخت کا تنا درخت کی شاخیں پتے پھول پھل سب کچھ ہی موجود ہوتا ہے جسمیں مقررہ قوانین کی اطاعت (یعنے اسلام) کرنے سے سب کچھ اپنے وقت پر ظاہر ہوجاتا ہے۔ یہ ایک درخت کی حالت ہے اسکے مقابل انسان تو ایک عالم۔ ایک کائنات کا مجموعہ ہزار در ہزار اور لاکھ در لاکھ قوتیں اور استعدادیں اسمیں مخفی ہیں۔ کیسے کیسے جوہر اور کمالات اسکی فطرت میں مضمر ہیں۔ اگر ایک چھوٹا سا قطرہ خون (علقہ) اپنے مناسب محل موقعہ پر قرار پاکر جسمانیات میں ایک خوبصورت انسان بن سکتا ہے تو اخلاقیات اور روحانیات میں کیسے کیسے خوبصورت جواہر اس قطرۂ خون سے نکل سکتے ہیں لیکن اگر نطفہ مقررہ راہوں پر چلنے سے ہی انسان بنتا ہے۔ تو پھر اخلاقی اور روحانی لطائف کا ظاہر ہونا بھی قوانین کو ہی چاہتا ہے۔ ان قوانین کا دینا مذہب حقہ کا کام ہے۔ خدا کی طرف سے مذہب ہمیں وہ راہیں سکھلانے آتا ہے۔ کہ جن پر چلکر یہ انمول جواہر جو فطرت میں مرکوز و مضمر ہیں۔ وہ اپنے وقت میں آہستہ آہستہ ظہور تام حاصل کریں +

مقام مذہب

اگر مذہب کی حقیقت یہ ہے۔ تو پھر لازمًا سوال یہ ہوگا کہ یہ مذہب کس سرزمین میں

نازل ہونا چاہیئے۔ اور کس انسان کو اور کس قوم کو ملنا چاہیئے۔ سوال تو بہت آسان تھا لیکن اس کے جواب میں ہر ایک قوم نے غلطی کھائی۔ اور کسی مذہب کے پیرو نے اس سوال کا صحیح جواب نہ دیا۔ اگر مذہب انسان کی رفعت کیلئے خدا کی طرف سے آتا ہے۔ تو پھر انسان کو ہی ملنا چاہیئے۔ خواہ وہ کسی قوم کا ہو یا کسی سرزمین میں آباد ہو۔ جہاں تک جسمانیات کا اور جسمی پرورش کا سوال ہے۔ پروردگار عالم نے کسی قوم یا ملک کو اپنے فیوض سے محروم نہیں رکھا۔ جو کچھ بھی ہماری پرورش کے لئے ضروری تھا۔ اس سے تو کسی کو بھی محروم نہیں رکھا گیا۔ ربوبیت عامہ میں تو خدا تعالیٰ نے کسی جانبداری یا طرفداری کو نہیں برتا۔ سورج۔ چاند ستارے بادل پانی۔ زمین دیگر کل مظاہر قدرت جو جو بھی پرورش کیلئے ضروری تھے۔ اسکی تقسیم میں یدِ قدرت نے نہ کسی انسان میں نہ قوم میں تمیز یا امتیاز روا رکھا۔ تو روحانیات میں وہ کس طرح کسی امتیاز کو روا رکھ سکتا ہے۔ امر حقہ یہی ہے۔ کہ جہاں کہیں بھی انسان تھا۔ خدا کا مذہب اسے وہاں پہنچا منطق تو صاف تھی۔ یہ قضایا انہی نتائج کو چاہتے تھے لیکن ظہور اسلام سے پہلے کسی کو یہ سیدھی بات سمجھ نہ آئی۔ یوں تو ہر قوم نے اپنے مذہب کو خدا کیطرف سے ہی سمجھا لیکن اس عطیۂ ربی کا مورد صرف اپنے آپ کو ہی سمجھا کسی دوسری قوم کے مذہب کو ہرگز ہرگز خدا کیطرف سے نہ جانا۔ اسی سے تنگدلی۔ نفرت تعصب پیدا ہو گیا۔ جس نے آدم کے بچوں کو ایکدوسرے سے جدا کر دیا۔ اور نوع انسان کا وہ ڈھانچ جس پر خدا تعالیٰ کی مجازاً ربوبیت عامہ کے ماتحت انسانی اخوت عامہ قائم ہوئی تھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ یہ تنافر اور تعصب کے حالات چلتے ہی رہے تھے کہ قرآن کریم نے نازل ہو کر ان تنگدلیوں کا ایک فقرہ میں خاتمہ کر دیا۔ جب قرآن کریم نے بآواز بلند الحمد للہ رب العالمین کہکر مذہب حقہ کو شروع کیا۔ اس فقرہ سے یہ انکشاف ہوا۔ کہ خدا کسی خاص قوم یا گروہ یا جماعت کا خالق و رازق نہیں۔ وہ تو یکساں طور پر ہر ایک قوم کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کے اظہار کیلئے اس ایک فقرہ پر ہی اکتفا نہیں کیا۔

بلکہ اس حقیقت کو مختلف پیرایوں میں ظاہر کیا لیکن ولکل قوم ھاد (ہر ایک قوم کو ہادی دیا گیا) لیکن ولکل امۃ رسول (ہر ایک اُمت کو ایک رسول دیا گیا)۔ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر کہ کر یہ اس بشارت عامہ کا اعلان کیا کہ دُنیا میں کوئی بھی قوم نہیں جہاں ہماری طرف سے نذیر نہیں آیا۔ اِس طرح خدا کے آخری کلام نے یہ اعلان کر دیا۔ کہ جو کوئی مذہب بھی دنیا کے کسی حصہ میں دائر و سائر ہے۔ وہ اپنی اصلی شکل و صُورت میں خدا کی طرف سے ہی ہے جس خدا کو قرآن نے پیش کیا۔ وہ کسی قوم یا گروہ کا خدا نہیں۔ اس کا نام خدائے ابراہیم یا خدائے اسرائیل نہیں۔ اس کا نام ربّ العٰلمین ہے۔ اسلئے ایک مُسلمان اس عقیدہ رکھنے کا مُتکلف ہے۔ کہ وہ ہر ایک ملک و قوم کے ہادی مذہب کو خواہ وہ چین میں ہو یا ایران میں۔ ہند میں ہو یا امریکہ میں فلسطین میں یا یورپ میں پیدا ہُوا ہو۔ خدا کا مُرسل ماننے میں یہ اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ خود قرآن نے بھی ذیل کے الفاظ میں یہ تعلیم دی ہے +

قولوا امنّا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون ۰ پ۱ ع ۱۶

ترجمہ (مسلمانو) تم سے لوگ پوچھتے ہیں۔ کہ تم کیا مانتے ہو (انھیں) کہہ دو۔ کہ ہم تو جو ہمارے نبیؐ پر نازل ہُوا اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو جناب ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ اسحٰق و یعقوبؑ اور انکی آل پر نازل ہُوا اور اسپر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جو کچھ جناب موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو دیا گیا۔ اسے بھی مانتے ہیں (بلکہ دنیا جہان کے کسی نبی پر جو منجانب اللہ نازل ہُوا ہو اسے ہم مانتے ہیں۔ ہم ایک نبی یا دوسرے نبی میں فرق کرنا جانتے ہی نہیں (کیونکہ) ہم تو خدا کے ماننے والے ہیں ہم پیغمبروں کے پرستار نہیں۔ ہم پیغمبروں کے آگے کو اسلئے سر جھکاتے ہیں۔ کہ وہ خدا کی طرف سے پیغام لائے۔ جناب خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماقبل جس وقت اور جب کبھی ہم پر ثابت

ہوجائے۔ کہ فلاں شخص فلاں قوم کا منجانب اللہ ہادی تھا۔ تو وہ ہم مسلموں کا ولیا ہی ہادی ہے۔ اور اسے جو صحیفہ خدا کی طرف سے عطا ہوا۔ اگر وہ تحریف سے پاک ہمیں ملجائے تو ہمارے لئے تو صحیفہ آسمانی ہے +

قرآن کا عالمگیر مشن

اِس وسعت قلبی کے ساتھ جو ایک مسلمان کو ہر نبی کے سامنے تسلیم خم کرنے کو تیار کرتی ہے پھر ہم مسلمان کیوں قرآن کو ہی اپنی ہدایت سمجھے ہوئے ہیں۔ اور ہر ایک دوسری کُتب مقدسہ پر اسے ترجیح دینے کو تیار ہیں۔ بظاہر یہ ہمارا طریق جمع ضدین کرتا ہوا نظر آئیگا۔ لیکن حقیقت امر کچھ اور ہے قرآن کریم نے خود ہی اسکی وجہ بتائی ہے جس صورت میں قرآن کریم سے پہلے ہر ایک قوم اپنے ہاتھ میں کتاب الٰہی رکھتی تھی۔ تو پھر قرآن کیوں نازل ہوا اور اس نے کُل دُنیا کو اپنی اطاعت کیلئے کیوں بُلایا۔ ما ننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا۔ **ترجمہ**۔ جب ایک چیز اپنی اصلی غرض و غایت دینے کے قابل نہیں رہتی۔ یا مٹ جاتی ہے۔ تو ہم اسکی جگہ ویسی ہی یا اس سے بہتر چیز پیدا کر دیتے ہیں۔ اِس آیت میں قرآن کریم صحیفہ قدرت کی چیزوں کی طرف ہمیں متوجہ کرتا ہے۔ خدا کی ہر ایک بنائی ہوئی چیز کسی غرض و غایت کیلئے بنی ہوئی ہے۔ یا وہ مٹ جاتی ہے۔ یا وہ کسی نقص کے پیدا ہونے پر اپنا مقصد ادا نہیں کرتی۔ اسلئے اسی وقت اسکے قائمقام ایک اور چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اصُول کائنات کی ہر ایک چیز پر حاوی ہے۔ بارش ہماری زندگی کیلئے آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ جونہی پہلی بارش کا پانی ختم ہو جائے۔ یا ارضی مواد کے ملجانے سے جوہر حیات کو گنوا دے۔ تو ابر رحمت اَور بارش لے آتا ہے۔ قرآن کریم سے پہلے بہت سی کتابیں نازل ہوئیں۔ اُن میں سے بہت سی صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ جو باقی رہگئیں وہ اِنسانی دستبرد سے نہ بچ سکیں محرف

مُبدّل ہوگئیں۔ قرآن کریم نے مختلف پیرایوں میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔ بعض کُتب مقدسہ کا نام لے کر بتایا۔ کہ وہ محرّف و مبدل ہوگئی ہیں لیکن مذہبی دنیا اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے تیرہ سو برس چاہتی تھی۔ ابھی پچاس برس ہوئے۔ کہ پادریوں کی نگاہ میں قرآن کریم کا یہ اعلان کہ انجیل بھی دستبرد انسانی سے نہیں بچی صداقت سے خالی نظر آتا تھا لیکن آج تحقیق و تدقیق نے آخر کار مان لیا۔ کہ تورات و انجیل محرّف ہوچکی ہیں۔ اور قرآن کریم کے علاوہ سوائے ایک آدھ کتاب باقی کُل کی کُل کُتب مُقدّسہ اس وقت اپنی شکل و صُورت میں نہیں۔ اور جس ایک آدھ کتاب کو اس کے ماننے والے تحریف سے پاک سمجھتے ہیں۔ وہ ناقابل فہم سمجھی جاتی ہے۔ اور اس طرح اپنے مقصد کے ادا کرنے میں قاصر ہوچکی ہے۔ بہرحال عُلماء یہودی اور نصرانی نے انجیل و تورات کے متعلق قرآن کے فتوے کو تسلیم کرلیا۔ اب اگر یہ صورت ہے تو خدا کا وہ قانون کہ جب کسی چیز کی کمی ہوتی ہے۔ اس کا قائمقام آجاتا ہے ضرور عمل میں آجائیگا۔ بات تو صاف ہے لیکن تعصّب و جہالت انسان کی عقل پر پٹی باندھ دیتی ہے۔ اور وہ صحیح نتیجہ پر نہیں آسکتا۔ ایک گلاس کے پانی میں اگر کسی کا ہاتھ یا اُنگلی پڑ جائے۔ تو ہم اس گلاس کے پینے میں متامل ہوجاتے ہیں۔ ہم اُسے پینے کے قابل ہی نہیں سمجھتے لیکن کیا عجیب تماشا ہے۔ کہ وہ جام عرفان یعنی خدا کی طرف سے کتابیں جو ہمارے لئے آبحیات لایا تھا لیکن اِس جام عرفان میں بیسیوں ہاتھوں اور سینکڑوں انگلیوں کا پڑنا تو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن اُسے ہم منہ لگائے ہُوئے ہیں۔ اور اسے غٹا غٹ پیئے جارہے ہیں۔ اگر مذہب الہاماً انسان کو ملا۔ تو پھر اس کی خوبصورتیوں سے ہم کیسے آشنا ہوسکتے ہیں جب الہامی الفاظ ہی ہم تک نہ پہنچیں۔ اور اس کے مقاصد مختلف ہوگئے اگر خدا انسان سے کسی وقت اسلئے بولا۔ کہ اسکی مرضی انسان پر ظاہر ہو۔ اور

اسکی کتابیں اسکی منشا و مرضی کو انسان پر ظاہر کردیں۔ تو پھر کس طرح وہ خاموش رہ سکتا ہے۔ جب اسکی مرضی و منشاء کا ذریعہ اظہار انسانی ہاتھ سے مختل ہو کر اسکی حقیقی مرضی کو مخدوش کر دے۔ اگر یہ وہی خدا ہے۔ جو پہلے تھا۔ اور انسانی معاملات میں اسے ویسی دلچسپی ہے جیسے پہلے تھی۔ تو پھر اس کی قدیمی کتابوں کے بدلجانے پر جب مقصد نزول الہام ضائع ہو رہا ہے۔ تو پھر وہ کیوں نئی کتابیں نہ بھیجے۔ قرآن کریم نے اس سیدھی سادی منطق کے ذریعہ دُنیا کے آگے کتب قدیمہ کی موجودگی میں اپنی ضرورت کو پیش کر کے اپنے عالمگیر مشن کو ظاہر کرنا چاہا ہے +

الہامی کتاب میں کس قسم کی تعلیم ہونی چاہیئے

اگر مقصد مذہب یا الہام جیسا کہ اُوپر بیان ہوا ہے یہ ہے کہ انسان کے مخفی قوی ظہور تام پالیں۔ تو پھر ایک کامل مشہور منجانب اللہ کتاب اسی وقت ہوسکتی ہے۔ جب ذیل کے امور پر وہ روشنی ڈالے :۔

(اول) انسانی استعدادیں۔

(دوم) ان استعدادوں کی تکمیل اور نشوونما پانے کا طریق۔

(سوم) اس مقصد کے پورا کرنے کیلئے انسان اور خدا کے مابین تعلقات

(چہارم) انسان اور دیگر مخلوق میں کیا تعلق اور رشتہ ہے۔

(پنجم) باہمی تعلقات انسانی۔

(ششم) ان تعلقات کے قیام کے قواعد۔

(ہفتم) زندگی بعد الموت۔

میں دیگر کتب اور مذاہب کے متعلق کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھتا دوسرے مذہب اور ملت والے خود غور کرلیں۔ کہ ان سات امور پر ان کا مذہب اور کتاب کیا روشنی ڈالتی ہے۔ البتہ اسلام اور قرآن کے متعلق میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ قرآن نے علے الخصوص ان سات باتوں کو واضح طور

سے بیان کر دیا ہے۔ نہ صرف ان سات امُور پر قرآن نے کافی روشنی ڈالی ہے بلکہ خدا کی آخری کتاب نے ان راہوں سے بھی ہمیں اطلاع دی ہے۔ جو ان امُور کے حاصل کرنے میں ہمیں امداد دیں۔ میرے نزدیک مذہب کہلانے کا حق ہی نہیں رکھتا۔ اگر امورِ بالا کے متعلق اسکی تعلیمات انسان کو کافی ہدایت نہ دے سکیں۔ جن پر چلکر جو جو بیش بہا جواہر خدا تعالیٰ نے ہماری فطرت میں رکھے ہیں۔ وہ ظاہر ہوں۔ اور اس طرح مذہب کا مقصد جیسا کہ ہم نے اُوپر بیان کیا ہے پُورا ہو جائے۔ اب میں اِن ساتوں امُور کو بالترتیب لیتا ہوں

اِنسانی استعداد

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۔ ثم رددنٰه اسفل سافلین

ترجمہ۔ ہم نے انسان کو اعلےٰ سے اعلےٰ استعداد کے ساتھ پیدا کیا۔ ہاں اسمیں ادنیٰ سے ادنےٰ مقام کیطرف جانے کا میلان بھی رکھا ہے۔

کائنات کی ہر ایک چیز انسان کے جسم میں موجود ہے۔ اسلئے اگر وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پرواز کرنا جانتا ہے۔ تو پھر ارذل سے ارذل چیزوں کی طرف جانے کا بھی میلان رکھتا ہے۔ کیونکہ بہتر سے بہتر اور ادنےٰ سے ادنےٰ چیزوں کے قائمقام اس کے اندر موجود ہیں۔ اسمیں اور کائنات کی دوسری چیزوں میں فرق یہ ہے کہ ان کی ترقی کا میدان تو محدُود ہے لیکن اس کی ترقی کی کوئی اِنتہا نہیں کمالِ انسانی کی حدُود اور اُن کی تعریف بھی ایک مسئلہ لاینحل دُنیا کے سامنے رہا ہے۔ مختلف اطراف و جوانب سے اس امر پر مختلف آرا اور خیالات کا اظہار ہوا ہے۔ جس سے مذہب تمدّن۔ اخلاق اور مختلف نظرے اور آرا قائم ہو چکی ہیں۔ انہی اختلاف آرائے نے اِنسان کی زندگی پر مختلف مقامات پر مختلف تاثّرات ڈالے ہیں۔ نہ اس وقت میرے پاس وقت نہ یہ موقعہ ہے۔ کہ مَیں اس مسئلہ پر ایک بسیط گفتگو کروں۔ صرف اسی قدر کہ دینا کافی ہوگا۔ کہ اسلام سے پہلے ہر مذہب و فلسفہ نے اِنسان پر بہت ہی ظلم کیا۔ فطرتِ انسانی

کے متعلق نہایت ادنیٰ رائے قائم کیگئی۔ انسان کو سفلی جذبات اور ادنےٰ خواہشات کا مظہر سمجھا گیا۔ نفس یا جسم انسانی کو اسکی ترقیات کا روک سمجھا گیا۔ بعض نے تو انسان کو یہاں تک ذلیل ظاہر کیا۔ کہ اسکی فطرت ہی گناہ سے خالی نہیں۔ وہ کسی حال میں گناہ اور اسکی تاثیر سے بچ سکتا ہی نہیں۔ جب تک کہ وہ کسی مفروضہ اعتقاد و واقعہ پر ایمان نہ لائے۔ اسکی فطرت تو اسکے لئے ابدی جہنم تیار کر چکی تھی۔ مگر خدا کے فضل اور حکمت نے اسکی نجات کا خاص رستہ نکال لیا۔ اور وہ یہ ہے کہ فلاں[1] فلاں عقیدہ رکھ لے۔ خدا اسے بخشدیگا۔ بُدھ کے متعلق یہ مشہور ہے۔ کہ انھوں نے انسان کو اسکی ہستی کے بھی قابل نہ سمجھا۔ انھوں نے انسان کیلئے مصیبت تکلیف اور ہر قسم کے آزار کو ہی مقدر فرمایا۔ جن سے نجات انھوں نے اس میں ہی دیکھی۔ کہ انسان اپنے آپ کو ہلاک ہی کر دے جسے اس مذہب کی اصطلاح میں نروان کہتے ہیں۔ ہندو فلسفے میں انسان کی ہر قسم کی جسمانیات کو اسکی رُوحانی ترقی کا سدِّراہ سمجھا۔ قدیم ایرانیوں نے انسان کو خالقان یزدان واہرمن (خالق خیر و شر) کے ہاتھ میں ایک حقیر و بے حیثیت کٹھ پُتلی سمجھا۔ پُرانے یونانی جو دیوی دیوتاؤں کے قائل تھے وہاں انسان حسد و انتقام کی دیوی کا بدف قرار دیا گیا۔ یہ مختلف خیالات جو مختلف مذہب والوں نے قرار دیئے۔ ان تمام کفاروں اور قربانیوں کے ذمہ وار ٹھیرے جو مختلف مذاہب میں دائر اور سائر ہیں۔ انہی خیالات نے جانکاہ نفس کشی۔ اور ناقابل برداشت ریاضتیں پیدا کر دیں سمجھا ہی گیا۔ کہ مشت استخوان انسان اگر ان مصائب اور ذلتوں سے بچ سکتا ہے۔ تو انہی قربانیوں کفاروں اور ریاضتوں سے بچ سکتا ہے۔ انہی خیالات نے شفاعت اور سفارش کا غلط مسئلہ اور مفہوم دنیا میں پھیلا دیا۔ اس کے بالمقابل فلسفۂ جدیدہ نے بالکل اس کے اُلٹ رائے قائم کی۔ رشنلزم نے پیدا ہو کر انسان کو اِس

[1] فاضل لیکچرار یہاں عیسائی مذہب کیطرف اشارہ کر رہا ہے جس کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں گناہ ہے۔ اور انسان کسی خیر کے قابل نہیں۔ وہ اس پست فطرتی سے اسی وقت نجات پاتا ہے جب مسیح کے کفارہ پر ایمان لائے۔ مترجم

ذلیل مقام سے جدا کیا۔ جو مذہب اور فلسفہ قدیم نے اُسے دے رکھا تھا۔ فلسفہ جدید نے انسان کو ہر ترقی کے قابل قرار دیا۔ بلکہ انسانی ترقیات کی کوئی حد ہی نہ رکھی۔

فطرتِ انسانی کے مطالعہ کرنے کے بعد یہ صاف نظر آتا ہے۔ کہ یہ دونوں قدیم اور جدید رائیں کسی نہ کسی صداقت سے خالی نہیں مگر اسلام نے اصل حقیقت حال کا انکشاف کیا۔ جس پر آیت مذکورہ بالا شاہد ہے۔ قرآن نے یہ قرار دیا کہ انسان شکم مادر سے ایک پاک اور صحیح فطرت لیکر نکلا ہے جسمیں گناہ کا کوئی شائبہ نہیں۔ خدا نے اسے اس قابل کیا ہے کہ وہ قوانین کی عزت کرے۔ اور اس پر چلسکے۔ اور اسطرح گناہ سے بچ سکے ازروئے تعلیم قرآن۔ ایک بچہ اگر پیدا ہوتے ہی مرجائے تو سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے اس عقیدہ کے خلاف ایسے مذاہب بھی دُنیا میں ہیں۔ جن کی رائے میں ایسے بچے سیدھے دوزخ میں جاتے ہیں۔ اگر اپنے مرنیسے پہلے کسی مقدس ہاتھ سے کسی خاص مذہبی رسم کے ماتحت نہ آجائیں[۱]۔ خدا کی رحمت و صلوٰۃ اس نبی محترم صلعم پر جس کا نام محمد مصطفےٰ و احمد مجتبےٰ ہے آپ نے کس قدر نسل انسانی پر رحم فرمایا۔ اور ہماری فطرت کیلئے کس قدر بلند مقام تجویز کیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ ہر ایک بچہ پاک فطرت لے کر دُنیا میں آتا ہے۔ وہ ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچسکتا ہے جنت اور ترقیات اس کے پیدائشی حقوق ہیں۔ نہ اسلئے کہ وہ مسلمان کا بلکہ اسلئے کہ وہ انسان کا بچہ ہے۔ البتہ اسکی فطرت میں ادنےٰ اور ارذل مقام کیطرف جانے کا میلان بھی ہے۔ لہٰذا ہر سلیم فطرت کے سامنے یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ انسان کس طرح اپنے پیدائشی حق کو حاصل کرسکے۔ اور کن راہوں سے اس لاحقہ ذلت سے نجات پالے۔ اس کا جواب اسی سورہ شریف میں جس کی آیت کا اوپر ذکر آیا ہے۔ اس آیت کے آگے ذکر کردیا ہے۔ الذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت فلھم اجر غیر ممنون (ترجمہ) جو لوگ الہام کردہ صداقتوں پر ایمان لاکر

---

[۱] یہاں بھی عقیدہ عیسویت کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کلیسیا کے عقیدہ کے مطابق انسان گنہگار پیدا ہوتا ہے جس سے بپتسمہ اس کو نجات دیتا ہے لیکن جو بچہ بپتسمہ پانے سے پہلے ہی مرجاتا ہے۔ تو لازماً اسکی گنہگار فطرت اُسے دوزخ میں لیجاویگی۔ مترجم

ان پر عامل ہو جائیں۔ ان کے سامنے لا انتہا ترقیوں کا میدان ہے۔ اور انکی محنتوں کے اجر کا کوئی خاتمہ ہی نہیں۔ الغرض اگر انسان کی یہ استعدادیں اور یہ اسکی کمزوریاں ہیں تو ان دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کر لینا کون سا مشکل امر ہے۔ کہ اسکے لئے کس قسم کا مذہب ہونا چاہئے تعلیم مذہب کچھ ایسی ہونی چاہئے جس پر چلکر ہمارے قوائے مخفیہ مثمر ہو جائیں ہماری استعدادوں کی تکمیل ہو جائے ہم کسی مصیبت میں نہیں پڑے ہوئے۔ نہ کسی قعر مذلت میں لٹکے ہوئے ہیں۔ کہ کوئی شخص ہمیں ہاتھ میں ہاتھ دیکر چاہ مذلت سے نکالے۔ نہ ہم پیدا ہوتے ہی جہنم میں داخل ہونے کے قابل ہیں۔ آخر ہم نے کیا کیا۔ اور کونسا جرم پیدا ہونے سے پہلے کر دیا۔ کہ جسکی پاداش میں ہمارے لئے دوزخ تیار ہو گیا۔ اور یہ کونسا انصاف ہے۔ کہ زید گناہ کرے اور بکر پکڑا جائے۔ نہ ہماری فطرت اور نہ ہمارے جامہ فطرت پر کوئی بدنما داغ ہے نہ کسی کے خون کے ذریعہ ان دھبوں کے دھلنے کی ضرورت ہے ۔ فی الجملہ گناہ ورثہ میں نہیں آیا۔ گناہ تو ایک امر اکتسابی ہے۔ وہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اس کسب بد سے بچیں۔ اسلئے قرآن نے لفظ سالویشن (گناہ سے نجات) بطور غرض مذہب بیان نہیں کیا۔ در اصل اس قسم کی نجات کی ضرورت کو تسلیم کرنا کہ انسان پیدائشًا پاداش گناہ سے نجات پانے کا محتاج ہے فطرت انسانی پر ایک سخت حملہ کرنا ہے۔ اس قسم کی نجات کی احتیاج کو تسلیم کر لینا گویا اپنی حیثیت کو آپ گھٹانا ہے۔ اور من وجہ مان لینا ہے۔ کہ ہم پیدائشًا بدمعاش اور بدکردار ہیں۔ جو لوگ اس پیدائشی اور فطرتی گناہ کے قائل ہیں۔ وہ اس نظریہ کے نتائج پر بھی غور کریں۔ کہ وہ اپنے لئے کیا حیثیت تجویز کرتے ہیں۔ انہیں سمجھ لینا چاہئے۔ کہ اگر وہ اس فطرت کے ساتھ پیدا ہونا قبول کرتے ہیں۔ تو پھر وہ پیدائشًا فاسق فاجر چور۔ ڈکیٹ۔ زانی اور ہر قسم کے مجرم پیدا ہوتے ہیں۔ حالانکہ حقیقتًا وہ ایسے نہیں وہ ہر قسم کی شرافت کی استعداد رکھتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ رذیلہ اخلاق ہم میں آجاتے ہیں۔ لیکن یہ باتیں تو ہماری پیدا کردہ ہیں۔ نہ یہ کہ ہماری

فطرت میں موجود ہیں۔ اگر گناہ لازمہ فطرت ہے۔ تو پھر یہ عطیۂ ربی ہے قرآن نے اسی لئے ایسے بیہودہ اور بےمعنی الفاظ مثلاً نجات رستگاری بچنا غرض مذہب نہیں بتلائی۔ قرآن نے لفظ فلاح مقصد مذہب بیان کیا۔ فلاح کے معنے رفعت۔ کامیابی بالقوہ چیزوں کا بالفعل ہو جانا۔ قوائے مخفیہ کا ظہور تامہ حاصل کرنا کسی کا معراج ترقی کو پہنچ جانا ہے۔ الغرض جو کچھ بھی خیر و خوبی انسان میں استعداداً رکھی گئی ہے۔ اس کا کمال حقیقی حاصل کر لینا۔ عربی زبان میں فلاح کہلاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچانے کیلئے ازروئے تعلیم قرآن الہام آیا جیسا کہ فرمایا۔ اولئك على هدىً من ربهم واولئك هم المفلحون اور اسی فلاح کا اصطلاحی نام جنّت ہے۔ جنت کے بھی لفظی معنے یہی ہیں یعنی چھپی ہوئی چیزوں کا ظاہر ہو جانا۔ جو گوش ہوش اور دانشمند دل رکھتا ہے۔ وہ اس حقیقت پر غور کرے۔ جو میں جنّت کے متعلق ایک لفظ میں کہہ گیا ہوں۔

انسانی استعدادوں کے ظہور کا طریق

جو کچھ میں نے اُوپر بیان کیا ہے۔ اس سے یہ آسانی سے سمجھ آ سکتا ہے کہ کس طرح یہ استعدادیں مثمر ہو سکتی ہیں۔ ان استعدادوں کا صحیح علم ان کے خالق کے سواء کس کو ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں رب العالمین کی طرف ہدایت کیلئے دیکھنا ہو گا۔ وہی ہمیں ان راہوں سے اطلاع دے سکتا ہے۔ جن پر چل کر ہم تکمیل نفس کر سکتے ہیں۔ اور یہ ہمارا حق ہے۔ کہ رب العالمین کی طرف ان راہوں کے لئے دیکھیں۔ چنانچہ خدائے اسلام نے ہمارے اس حق کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم بیان کرتا ہے۔ کہ صحیح راستہ دکھانا وعلى الله قصد السبيل ہم میں مورہ نحل) اگر خدا تعالیٰ نے ہمیں ایسی فطرت عطا کی ہے۔ کہ جو بیشمار نئے بہا مخفی جوہروں سے معمور ہے۔ تو کیا یہ جوہر اس طرح تکمیل کو پہنچ سکتے ہیں۔ کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں یا وہ عقیدہ رکھیں +

بالفرض مجھے سردرد ہے۔ تو کیا اگر کوئی طبیب اسکے علاج میں اپنا سر کٹوائے اور مجھے یہ کہے کہ جو میرے سر کے کٹ جانے پر ایمان رکھیگا۔ اسکی دردِ سر دور ہو جاویگی تو کیا مجھے یا کسی اور کے دردِ سر کو آرام ہو جاویگا۔ حقیقی علاج یہی ہے کہ وہ کوئی نسخہ بتائے میں اس پر عمل کروں۔ اُسے استعمال کروں۔ اور یقیناً مجھے شفا ہو گی۔ کہ نسخہ صحیح ہے۔ لیکن حکیم کے سر کٹوانے سے تو مجھے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ مذہب کا تو فرض یہ ہے۔ کہ ہمیں کچھ عملی سبق سکھائے۔ کوئی قواعد بتلائے۔ کوئی طریق عمل ہمارے سامنے پیش کرے۔ جس پر چلکر ہماری طاقتیں ظہور پذیر ہوں۔ کبھی مفروضہ باتوں پر عقیدہ رکھنے سے جوہر فطرت کھل سکتے ہیں۔ اسلام کا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ وہ صحیح راہ بتلائے۔ یہی مذہب ہر سابق نبی کا تھا۔ مسیح بھی اسی مذہب کو لیکر آیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔ کہ میں شریعت کو توڑنے نہیں آیا۔ بلکہ شریعت پر عامل ہونے اور عمل کرانے کیلئے آیا ہوں۔ زمین اور آسمان ٹلجائیں لیکن شریعت کا ایک شوشہ بھی ٹل نہیں سکتا یاد رکھو۔ کہ خدا کی بادشاہت میں وہی بڑا ہو گا۔ جو شریعت ربانی پر چلتا اور لوگوں کو اسکی تعلیم دیتا ہے۔ اور وہاں وہی ادنیٰ ہو گا۔ جو نہ شریعت پر عمل کرتا ہے۔ اور نہ دوسروں کو شریعت کی ہدایت کرتا ہے معلم عیسویت نے اپنے خطبہ کوہ میں یہ باتیں بیان کیں۔ یہ تو اسلام ہے۔ اور انکے ہوتے ہوئے مجھے سمجھ نہیں آتی۔ کہ اس مذہب کو جو آج کلیسیا مغرب مسیح کے نام کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ ان سے کیا تعلق ہے۔ جس کی بنیاد پولوس نے ڈالی تمام کامیابی اور فلاحوں کی کلید یہی ہے۔ کہ ہمارا خالق فطرت ہمیں کوئی راہ بتلائے۔ اور ہم پورے انقیاد کے ساتھ اس پر چلیں۔ یاد رکھو کہ اسلام میں تحمید و تسبیح کا بھی مطلب یہی ہے۔ خدائے اسلام نہ ہماری نمازوں کا محتاج نہ ہماری عبادات کی احتیاج رکھتا ہے + ان باتوں کے بالمقابل وہ اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے کہ جو جوہر اس نے ہماری فطرت میں رکھے ہیں۔ وہ

ختم ہو جائیں۔ زبان پر حمد اور ہاتھ میں تسبیح کوئی چنداں وقعت خدا کی نگاہ میں نہیں رکھتی۔ اگر اُن کا عملی نتیجہ کچھ نہ ہو۔ اسلئے حقیقی حمد و ثنا اور اسکا شکریہ یہی ہے کہ جو طاقتیں اس نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ اُن کا صحیح طور پر استعمال ہو۔ ہم نے ابھی بحوالہ قرآن بیان کیا ہے۔ کہ انسان میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور اس کے مقابل اور ارذل سے ارذل مقام پر پہنچنے کی طاقت ہے۔ امر اوّل کا حصول اور امر دوئم سے بچاؤ صرف شریعت کی ہی کامل اطاعت سے ہوسکتا ہے۔ البتہ اسبات کی ہمیں ضرورت ہے۔ کہ ہم میں اس اطاعت کی رُوح پیدا ہو۔ ہم ایک مشین کے پُرزوں کی طرح ہیں۔ اور بلا تکلف اور ساعی خدا کے قانون پر چلنے کے عادی ہوں۔ فطرت کو اِس صحیح راہ پر لانے کے لئے چند تمہیدی مشقوں کی ضرورت ہو جانی چاہئے۔ چنانچہ اسی مقصد کے حصول کیلئے چند عبادات ہر ایک مذہب نے مقرر کی ہیں۔ اسلامی نماز روزہ وغیرہ کا بھی یہی مقصد ہے۔ جیسا کہ قرآن نے ایک مقام پر مقصد نماز میں فرمایا۔ قوموا للہ قانتین۔ یعنی تم خدا کے کامل فرمانبردار بن جاؤ۔ مقصد یہ ہے۔ کہ ہماری فطرت کچھ ایسی صحیح ہو جائے۔ کہ جس کے ذریعہ سے ہم بدیوں سے طبعاً بچیں۔ اور نیکیوں کی طرف فطرتاً جھک جائیں۔ اس امر کے حاصل کرنے کا بہتر طریق یہ ہے۔ کہ وہ چیزیں جو ہم محنت اور مشقت سے اور جائز طریق سے حاصل کریں۔ اور وہ ہماری ملکیت ہو جائیں۔ ان کو خدا کیلئے چھوڑ دینے کی عادت ڈالیں۔ یعنی جس صورت میں ہم اپنی مکسوبہ جائداد کو خدا کی رضامندی میں خوشی کے ساتھ چھوڑ دینے کیلئے تیار ہیں۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اسے ناراض کر کے کسی چیز کو حاصل کریں۔ مثلاً کسی ناجائز طریق پر کسی دوسرے کی چیز کو لے لینا ایک قسم کی بدی ہے۔ اور اسمیں خدا تعالیٰ کی نارضامندی متصور ہے۔ لیکن جو انسان بطیب خاطر خدا کی رضامندی میں مثلاً ایک سو روپیہ آسانی سے فی سبیل اللہ دے سکتا ہے۔ وہ کس طرح ایک سو روپیہ کو حاصل کرنیکی طرف

مائل ہو سکتا ہے۔ اس امر کی تنقیح و توضیح کے لئے میں چند خواہشات نفس کا ذکر کرتا ہوں۔ مثلاً ہمیں بھوک پیاس اور قوائے شہوانی لگے ہوئے ہیں۔ ان تقاضوں کے دفعیہ کی ضرورت ہمارے کُل کاروبار کی محرک ہو گی۔ ان تقاضوں کے دفعیہ میں اگر ہم دوسروں کی چیزیں استعمال کریں تو وہ گناہ اور جرم ہو جاتا ہے لیکن اگر صحیح طور پر ان خواہشوں کو پورا کریں۔ تو وہ جائز اور حلال ہیں۔ مگر جو انسان جائز طریق پر اسباب دفع تقاضائے مندرجہ بالا حاصل کر کے پھر ان اسباب سے متمتع نہیں ہوتا۔ اور اپنے نفس کو مار ڈالتا ہے۔ اور اس طرح اطاعت نفس میں ارتکاب بدی کرتا ہے مثلاً۔ یہی سبق ہمیں رمضان میں بھی ملتا ہے۔ ہم روزے کے وقت ہر قسم کے جائز اکل و شرب کو بھی حرام کر لیتے ہیں۔ ہم مباشرت کے تعلق سے بھی الگ ہو جاتے ہیں یہی تین ضرورتیں یعنی اکل و شرب و مباشرت قسما قسم کے جرائم کے ذمہ وار ہیں۔ جو انسان رمضان شریف میں ان تین امور کے متعلق ان تین امور کو سلجھا لیتا ہے۔ ان امور میں وہ گناہ کی طرف جا سکتا ہے۔ اصلاح نفس کیلئے ہمیں جو عملی مشقیں اسلام نے ہمارے لئے تجویز کی ہیں۔ انہی کا نام ارکان اسلام ہے۔ یعنی کلمہ طیبہ۔ نماز۔ حج۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ اگر ہم دُنیا کے تمام جرائم پر نگاہ ڈالیں۔ اور ان صغیر و کبیر گناہوں کو دیکھ جاویں جسمیں خلقت پھنسی ہوئی ہے۔ تو ہم پر آسانی سے یہ امر منکشف ہو جاویگا۔ کہ یہ سب کے سب جرائم اور گناہ ان چیزوں کے ناجائز طریق پر حاصل کرنے یا ان کو ناجائز طریق پر قبضہ میں لانے یا ان سے ناجائز طریق سے دل کو وابستہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جن سب کو ہم جائز اور صحیح طریق پر حاصل کر کے خدا کی رضامندی میں ان پانچ ارکان اسلام کو ادا کرتے ہوئے خوشی سے اپنے سے جدا کر دیتے ہیں۔ اگر ادائیگی ارکان اسلام میں ہم اس امر کے عادی ہو جائیں۔ تو پھر ہم کس طرح دوسروں کی مقبوضہ اور مکسوبہ چیزوں

کی طرف نگاہ بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ مثلاً سب جرائم سے بڑھ کر جرم اور نقصانوں سے بڑھ کر نقصان اُن انسانوں سے سرزد ہوتا ہے۔ جو اپنے خیالات اور اپنی آرا سے اسقدر وابستہ ہوتے ہیں۔ کہ ان کو کسی حالت میں چھوڑ ہی نہیں سکتے۔ کلمۂ طیبہ کے دوہرانے میں ہم اگر لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ تو اس کا بڑا مقصد یہ ہے۔ کہ ہم اپنے آرا۔ خیالات اور محاکموں کو خدا کے فیصلہ اور خدا کے حکم کے ماتحت چھوڑ دیں۔ یہی مطلب لا الہ الا اللہ کا ہے پھر اگر ایک انسان کے سامنے خدا کی منشا کسی الہامی کتاب میں موجود ہو۔ اور اس کتاب پر اس کا ایمان ہو۔ تو وہ ہر ایسی خود آرائی کو جو تعلیم الہام کے خلاف ہو چھوڑ دیگا۔ اور اگر وہ نہیں چھوڑ سکتا۔ تو پھر لا الہ الا اللہ کا قائل نہیں۔ وہ اپنی رائے اور خیال کو خدا بناتا ہے۔ یہی مقصد کلمۂ طیبہ کا ہے۔ وقت کی قدر کرنا جہاں کل اقتصادیات کا موجب ہے۔ وہاں صحیح ضرورت قومی کیلئے وقت نہ دینا بھی صدہا نقصانوں کا موجب ہؤا ہے۔ وقت کی قربانی کا سبق ہمیں نماز سکھلاتی ہے۔ ہم کسی ضروری سے ضروری اور نازک سے نازک کام میں مصروف ہوں۔ اذان نماز ہمیں اس کام کے چھوڑنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ایک سبق ہے۔ کہ ہم خدا کی راہ میں جس سے مُراد قومی اور ملی راہیں ہوتی ہیں۔ اپنے وقت کو دے سکیں۔ دن میں پانچ وقت یہی سبق ہمیں ملتا ہے۔ کھانے پینے اور مباشرت کی خواہش نے دُنیا کے تین چوتھائی جرائم پیدا کئے۔ لیکن روزہ رکھ کر جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا۔ ہم نے سیکھ لیا ہے۔ کہ جب ہم خدا کی خوشی میں جائز راہوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔ تو ناجائز راہوں میں پڑ کر ہم اسے ناراض نہیں کر سکتے۔ اسی طرح روپیہ پیسے کی ناجائز محبت بھی مختلف جرائم کی ذمہ وار ہے۔ لیکن خیرات اور زکوٰۃ کے حکموں پر پابند ہو کر جب ہمنے جائز کمائی کو اپنے ہاتھ سے دیدیا۔ تو ہم کسی کے ناجائز روپیہ پر کیوں ہاتھ ماریں۔ اِنسان کی ایک اور ناجائز محبت نے دنیا میں

نہایت ہی خطرناک جرائم کرائے ہیں ۔ حُبّ وطن ایک اچھی چیز ہے ۔ بلکہ ایک قول کے مطابق ایمانیات میں سے ہے لیکن اسی حُبّ وطن کے ناجائز طریق نے دنیا میں کشت و خون کرائے ہیں ۔ قومیں قوموں پر چڑھیں خلق خدا کی خون کی ندیاں بہیں ۔ اور یہ سب کچھ اسی جذبۂ وطن کا نتیجہ ہے ۔ جب یہ خدا کے حکم کے خلاف ظہور میں آیا ۔ اس بدی سے بچنے کا اور اس جذبہ کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا صرف ایک ہی طریق ہے ۔ اور وہ یہ ہے ۔ کہ اگر ہم ایک طرف وطن سے وابستہ ہوں ۔ تو دوسری طرف ہم رضامندیٔ الٰہی میں وطن پر لات مارنے کے لئے بھی تیار رہوں ہم اپنے وطن کی ضروریات کے پورا کرنے میں ہم کس طرح ناجائز کسی ملک اور قوم پر تیغ زنی کر سکتے ہیں ۔ جب ہمارا خدا اس قسم کی خونریزی کو حرام ٹھیراتا ہے الغرض ہمیں اس مشق کے کرنے کی بھی ضرورت ہے ۔ اگر خدا کی منشاء ہمارا ترک وطن چاہتی ہو تو ہم کر سکیں ۔ حج سے بہتر یہ سبق ہمیں اور کہاں مل سکتا ہے جب ہم خدا کے لئے اپنا وطن اپنے دوست اپنے یار اپنے عزیز ۔ اہل و عیال چھوڑ دیں ۔ جوں ہی سرزمین عرب میں داخل ہوں ۔ تو اس نشانِ عزت امتیاز کو جس کا نام لباس ہے اپنے سے جدا کر دیں ۔ خدا کی راہ میں احرام باندھ لیں ۔ اور کوئی پیسہ ٹکہ اپنے پاس نہ رکھیں ۔ اس وقت ہماری کیا حالت ہوتی ہے ۔ ہم اپنے محبوب کے دروازے پر کھڑے ہیں ۔ دنیا کی محبوب سے محبوب ترین چیز بھی ہمارے پاس نہیں ۔ روپیہ ۔ پیسہ ۔ جائداد ۔ اولاد ۔ بی بی ۔ وطن ۔ لباس ۔ الغرض وہ سب کی سب باتیں جن کا ناجائز حصول کُل جرائم کا ذمہ وار ہے ہم سے جدا ہو چکی ہیں ۔ یا بالفاظ دیگر ہم نے خود ان سے انقطاع کر لیا ہے ۔ ایک جان کو لیکر خدا کے دوارے گرد گھوم رہے ہیں ۔ اسی کا نام طوافِ کعبہ ۔ گویا وہ جان جو ہمارے پاس باقی رہ گئی ہے اسکو خدا کی راہ میں قربان کرنے کیلئے ہم اس کے گھر پر پہنچ گئے ہیں ۔ کیونکہ دنیا

کی زبان حال ہیں کسی کے گرد گھومنا اس پر نثار ہوتا ہے۔ اس کے بعد عرفات میں داخل ہو کر ہم ننگی زمین پر سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح اس جسم کو جو کمخواب اور سنجاب پر استراحت کرتا ہے۔ اور ہر قسم کے ملبوسات سے آراستہ رہتا ہے خاک میں ملا دیتے ہیں۔ گویا خاک ہی ہم تھے اور خاک میں ملگئے۔ پھر اس کے بعد ہم کسی مویشی یا جانور کی قربانی کرتے ہیں۔ ہم میں اور جانور میں حصۂ بہیمیت مشترک ہے۔ یعنی رُوح کے سواء جو کچھ بھی ہم میں ہے وہ سارے کا سارا جانوروں میں ہوتا ہے۔ ہم جانور اگر ذبح کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ ہمارے اندر جو حصۂ بہیمیّت ہے۔ آج اس پر ہم نے چھُری پھیر دی۔ جو کچھ ہم نے کمایا تھا۔ اس سے ہم احرام باندھ کر جُدا ہو گئے اور جو ہماری فطرت میں تھا۔ اس پر ہم نے چھُری پھیر دی۔ خانہ کعبہ کے گرد چکّر لگانے ہی ہم نے نثار ہونے کی تیاری کی۔ عرفات میں سجدہ کر کے ہم نے آپ کو خاک میں ملا دیا۔ اور جانور کی گردن پر چھُری پھیر کر ہم نے اپنی بہیمیّت پر چھُری پھیر دی۔ الغرض اگر تکمیل نفس کی راہ میں آخری منزل سلوک یہ ہونی چاہئیے۔ کہ ہم ہر قسم کی محبوبات سے خدا کے لئے جدا ہو جائیں تو یہ آخری منزل حج بھی پوری ہو جاتی ہے۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے حج کو سلوک کی آخری منزل فرمایا۔ اگر تکمیل نفس سے مُراد نفس کی وہ کیفیت ہے جہاں یہ تمام قسم کی تحریصات تحریکات بد سے کلیتہً آزاد ہو کر گناہوں کا ملی بنگاری حاصل کر لیتا ہے۔ تو پھر یاد رکھو۔ کہ یہ کیفیّت روحانی اسی انسان کو حاصل ہو سکتی ہے جو ان چیزوں سے مُنہ موڑنا جانتا ہو۔ جو دنیا میں موجب گناہ ہو جاتی ہیں ہمیں ادائیگی ارکان اسلام میں جب ان چیزوں سے مُنہ موڑنا عملاً سکھلایا جاتا ہے جن پر ہمارا حق جائز ہے۔ تو پھر ہم کیوں دوسرے کی مقبوضات سے بلا تکلف منہ نہ موڑیں۔ کلمہ طیبہ سے چلکر حج کے خاتمہ تک ہم نے ایک ایک کر کے جن کو ہم شرعاً بھی رکھ سکتے تھے۔ ہم نے آہستہ آہستہ ترک کیا۔ اپنی چیزوں

کی محبت ہمیں خوار کرتی تھی۔ اس آخری منزل سلوک نے ہم نے تمام اپنی محبوبات سے کنارہ کرلیا۔ یہ سب چیزیں ہماری نفس کے حصہ بہمیت نے ہماری نگاہ میں عزیز کردی تھیں۔ حج کی شام کو ہمنے ان سب کو چھوڑ دیا۔ اور اس طرح بہمیت کے گلے پر چھری پھیردی۔ خوب غور کرلو کہ ہم میں اور ایک چارپائے میں جو مشترک بات ہے۔ وہ وہی بہمیت ہے۔ اگر عرفات یعنی میدان حج میں پہنچکر تم نے اور اگا بہمیت کو ذبح کیا۔ تو اس سے دوسرے دن منا میں آکر ہمنے بہائم میں سے ایک جانور کو لیکر اسکی گردن پر چھری پھیری ہے۔ یہ نشان اسبات کا ہے۔ کہ حج کے بعد ہم اپنی بہمیت کو ختم کر بیٹھے۔ میرے سامعین آج جو مسلمان ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ اگر قربانی یا صدقہ کے رنگ میں کسی جانور کے گلے پر چھری پھیر کر انھوں نے یہ نہیں سمجھا۔ کہ وہ دراصل اپنے نفس کی بہمیت کو چھری پھیر رہے ہیں۔ تو پھر ان کا یہ فعل ایک بت کا چڑھاوا ہے کسی دیوی کی بھینٹ ہے۔ اور اسمیں حقیقت قربانی نہیں ؞

انسان اور خدا کا رشتہ

خدا اور اسکی صفات کے علم نے انسانی اخلاق اور اسکی سیرت پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ دراصل جو کچھ بھی ہم خدا کے متعلق جانتے ہیں۔ وہ صرف چند صفات ہیں جو کسی مذہب نے خدا تعالےٰ کے متعلق ہمیں سکھائیں اسلام سے پہلے بعض مذاہبوں نے جو صفات الٰہیہ کا نقشہ انسان کے سامنے کھینچا۔ وہ ایسا نہ تھا۔ کہ اس سے انسان کے دل میں خدا کی محبت پیدا ہو سکے۔ اسے ایک نہایت سنگدل حاکم سمجھا گیا۔ جو حکم عدولی پر رحم کرنا نہ جانتا تھا اس کا رحم بلا بدل نہ ہوتا تھا۔ اسکی خوشی اسی میں تھی کہ لوگ اپنے گناہوں کے عوض قربانی کریں۔ جانور مذبحوں پر ذبح ہوکر آگ میں ڈالے جانے اسکی آنکھوں کیلئے خوشگوار منظر تھا۔ ان قربانیوں کا دھواں اسکی مشام کو معطر کرنیوالا۔ قربانگاہوں پر انسانی خون اس کے دل کا سرور۔ اور ہماری طرح طرح

کی ریاضتیں اور مشقتیں اسکی خوشنودی مزاج کا ذریعہ - وہ اپنے قوانین کی اس سختی سے پابندی چاہتا تھا - کہ ایک ادنےٰ سی غلطی پر اس کا غصہ بھڑک اُٹھتا تھا - جس کا ظہور وہ مروج طرح کی مصائب اور بلائیں تھیں جو دنیا میں نازل ہونی شروع ہو جاتی تھیں - الغرض یہی نقشہ خدا تعالیٰ کا جناب مسیح سے بھی پہلے کم و بیش ہر مذہب میں دائر و سائر تھا - جب وہ تشریف لائے تو انہوں نے انسان کو اس غلطی سے نکالنا چاہا "اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے" انہوں نے خدا کو ان الفاظ سے پکار کر یہ سکھلایا - کہ خدا تعالےٰ اور انسان کے درمیان حاکم و محکوم کا رشتہ نہیں - بلکہ باپ اور بیٹے کا رشتہ ہے جب اپنے باپ یعنی خداوند کا ذکر وہ کرتا تو ہمیشہ محبت اور پیار سے - اور وہ باپ اس کا کوئی خاص باپ تو تھا نہیں - از رُوئے تعلیم مسیح جس طرح اللہ تعالیٰ ان کا مجازی باپ تھا - ویسے وہ ہر ایک کا مجازی باپ ہے - لیکن جناب مسیحؑ کے رخصت ہوتے ہوتے وہ محبت اور پیار کا رشتہ جو باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے - اور جو جناب مسیح نے خدا اور اسکی مخلوق میں قائم کرنا چاہا وہ مٹا دیا گیا انسانی پست فطرتی پھر کام کرنے لگی - وہی پُرانی باطل پرستی کہ خدا کا غُصّہ جب کسی کے ادنےٰ سے ادنےٰ گناہ پر بھڑک اُٹھتا ہے - تو بلا عوضہ لئے فرو ہونے میں نہیں آتا - سینٹ پال کے ذریعہ پھر مذہب میں آ داخل ہوئی - اس قسم کی باتیں روما اور یونان میں پہلے ہی موجود تھیں - ان کی کافرانہ مزاج کے مطابق حال مذہب بنانے کے لئے پولوس نے خون مسیحؑ کا فسانہ تراشا - خدا باپ تو مانا گیا - لیکن باپ بھی وہی بیرحم باپ جو بچوں پر بھی مہربانی کرنی نہیں جانتا - اس باپ کے سب بچے گنہگار تھے کب بخش سکتا تھا - ایک منجلا بیٹا آ گیا - اس نے سب کی جگہ اپنا خون بہا دیا - الغرض اس قسم کی کفریات اور مذاہب میں بھی موجود تھیں جبکہ دو جہان کی رحمت نے نزول فرمایا - اور اس نے سیّد العرب والعجم کی شکل

اختیار کی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ آئے۔ اور اس خدا کا پتہ لائے۔ جو رب العلمین۔ رحمان و رحیم۔ اور مالک یوم الدین ہے۔ اور اس طرح ان کفریات کا قلع قمع کیا جس نے ہر مذہب میں قریب قریب خدا کا نقشہ اس قسم کا کھینچ رکھا تھا کہ جو نہ صرف مزیل شان خدا بنجائے۔ بلکہ اس سے اس دل کی پست فطرتی اور کمینہ مزاجی کا پتہ چلتا تھا کہ جن کے دماغ سے اس قسم کی صفات ربی تجویز ہوئیں۔ پیش ازیں کہ میں ان صفات پر کچھ کہوں اپنے مقصد کے اظہار کیلئے یہ مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں پھر آپ کو انسانی قوی اور استعداد اور مقصد مذہب کیطرف متوجہ کروں۔ انسان دنیا میں ایک پاک کامل معصوم اور بیشمار قوتوں سے معمور فطرت لیکر آیا۔ ان قوی کی آبیاری کو سامنے رکھ کر قرآن نے جس صفت ربی کا ذکر کیا۔ وہ رب العلمین ہے۔ لفظ رب اپنے معنوں میں لفظ اب (باپ) سے زیادہ وسیع ہے دنیا میں وہ بھی تو باپ ہیں جو کسی کے وجود کا باعث ہو کر یہ بھی نہیں جانتے کہ انکی پیٹھ سے نکلا ہوا بچہ کہاں ہے اور کس جگہ۔ وہ بھی آخر باپ ہی کہلاتا ہے بعض جانکر بھی پرورش کے تعہد سے بیفکر رہتے ہیں۔ الغرض لفظ باپ جو جناب مسیح نے تجویز کیا ظہور رحم خداوندی کے لئے وہ اچھا لفظ نہیں تھا۔ عربی زبان میں رب کے چار معنے واقع ہوئے ہیں۔ پیدا کرنیوالا۔ پیدا کرکے پرورش کا سامان کرنیوالا۔ اپنی مخلوق میں ایکطرف اعلےٰ درجہ کی استعدادیں رکھنے والا اور دوسری طرف ان استعدادوں کو نشو نما دینے کے اسباب کو مہیا کرنیوالا بالفاظ دیگر کسی چیز کو ارتقائی منازل سے گذار کر اسکی منزل تکمیل تک پہنچانیوالا اور پھر ہر ایک منزل میں جو اسباب ضروریہ ہیں ان کو مہیا کرنیوالا۔ یہ سارے کے سارے مفہوم ایک لفظ (رب) میں آجاتے ہیں لیکن اس منزل تکمیل تک پہنچنے کیلئے انسان کی ربوبیت صدہا ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جیسے تھے جبکہ پیدائش انسان

سے پہلے ہی دنیا میں موجود ہونی چاہیئے۔ روشنی ہوا۔ پانی۔ آفتاب چاند وغیرہ بے اندازہ ایسی چیزیں جو انسان کے پیدا ہونے سے پہلے اگر کائنات میں موجود نہ ہوں تو انسان کہاں ایک منٹ کیلئے بھی زندہ رہ سکتا ہے انسان کی خاطر ان سب چیزوں کو پہلے سے ہی پیدا کر رکھنا جس رحم و محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کو عربی زبان میں رحمانیت کہتے ہیں۔ پھر جب خود انسان دنیا میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اپنے جوہر کے ظہور کیلئے رحمانیت کی بنائی ہوئی چیزوں سے فائدہ مضمرہ اٹھاتا ہے۔ تو پھر اسکے اس عمل کو مثمر کرنا بھی رحم خداوندی پر ہی منحصر ہے۔ جو اس کے فعل کے وہ بدلے دے۔ جو کشت عملمیں ایک دانہ کا عوض ہزارہا دانے دے۔ یہ بھی ایک رحم کو چاہتا تھا۔ اس قسم کے رحم کو عربی زبان میں رحیمیت کہتے ہیں۔ رحمانیت کے متعلق ایک امر اور بھی غور طلب ہے جب رحمانیت کا فضل انسانی پیدائش سے پہلے ظہور پذیر ہوا۔ تو لامحالہ وہ کسی عمل انسانی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ کسی نیکی کی پاداش میں عطا ہوا۔ پھر وہ خداوند جو اس قسم کے لکھو کھا افضال کی بارش بلا بدل و بلا عوض رات دن بھیج رہا ہے۔ وہ کسی ہماری غلطی یا گناہ کو بلا عوضہ لئے فضل کی نگاہ سے نہ دیکھ سکے تم رحمان کے فضل پر غور کرو۔ جو بلا بدل ہے اور یہ تمام فسانے اور کہانیاں جنہوں نے مختلف مذاہب میں کفارے قربانیاں نذر و بھینٹ کی شکل اختیار کر رکھی ہے خاک میں ملجاتی ہیں۔ اس فضل رحمانی کے ماتحت بیشمار خدا کی نعمتیں ہماری چاروں طرف نظر آ رہی ہیں۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے۔ وہ اسی فضل کا ظہور ہے۔ اس فضل کے عطیہ میں کسی ذات صفات قوم کا لحاظ نہیں یہ فضل سب کے لئے یکساں ہے۔ ہاں رحمانیت کے ماتحت جس فضل کا نام رحیمیت ہے۔ وہ عمل انسانی کو چاہتا ہے۔ اس کا مورد وہی ہوتا ہے جو رحمان کے عطیات کو صحیح طور پر استعمال کرے۔ یہ بدل عمل ہیں فضل نہ صرف ہمیں حوصلہ

دلاتا ہے کہ ہمارے عمل ضائع نہ ہوں۔ بلکہ یہ تازیانہ کا کام دیتا ہے۔ کہ ایک بیعمل کی اس رحیمیت مآب سرکار میں کوئی شنوائی نہیں۔ رحمان خدا نے ہماری ضروریات کے دفعیہ میں ہر قسم کا مواد و مصالح مہیا کر رکھا ہے لیکن وہ سب کا سب ہمیں تو ہی مفید ہو گا۔ اور اس مفید ہونے کا نام ہی نزول رحیمیت ہے۔ جب ہم اس مواد و مصالح پر قوت عمل کو کام میں لاویں گے۔ یہ کائنات کی چیزیں جو ہمارے اردگرد ہیں سورج۔ چاند۔ ستارے۔ ہوا۔ پانی۔ زمین اور تو اور ہماری خوراک پیدا کرنے کے لئے اسقدر ضروری ہیں لیکن یہ سب کے سب بادم کام نہیں کرتے جبتک ہم خود زمین کو کھود کر تخم نہ ڈالیں یہی مظاہر قدرت جو ہمارے ہاتھ ہلانے سے پہلے ہمیں کسی طرح متمتع نہ ہونے دیتے تھے۔ اب وہ سب کے سب خادمانہ رنگ میں ہماری خدمت کرنے لگجاتے ہیں اور اس دانہ تخم کو ایک بارور فصل بنا دیتے ہیں۔ ہماری فطرت کسی قدر اصلاح کی بھی محتاج ہے۔ ہم جب تک مقررہ حدود میں کام کرنے پر مجبور نہ ہوں۔ ہم تجاوز حدود سے صدہا قسم کا نقصان اٹھا لیتے ہیں۔ اسلئے مقررہ حدود و راہوں پر چلنے کے لئے جس تازیانہ کی ضرورت ہے اس کا تعلق خدا تعالیٰ کی چوتھی صفت سے ہے۔ جو قرآن ان تین صفات کے بعد ذکر کرتا ہے۔ یعنی مالك یوم الدین جزا و سزا کے دن کا مالک۔ لفظ مالک کو جزا و سزا کے ساتھ ذکر کر دینے میں نہایت لطافت کے ساتھ ان بیہودہ خیالات کا بھی دفعیہ کر دیا گیا۔ جو ایک حد تک کفارہ وغیرہ نظریوں کا ذمہ وار ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو عادل ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ عدل و انصاف کا مالک قرار دیا ہے۔ وہ جج تو ہے لیکن مالک جج۔ ایک حاکم یا ایک جج قانون کے ماتحت ہی کام کر کے عادل کہلا سکتا ہے۔ اس کا ہر فعل قانون کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ مالک ہے۔ کسی کے گناہ کے عوض میں جہاں ایک حاکم عادل قانون کی منشاء کو پورا کرتے ہوئے سزا دینے پر مجبور ہے

ایک مالک حاکم قانون سزا کو ایک طرف رکھ کر رحم سے کام لے سکتا ہے۔ جن لوگوں نے گنہگار انسان کو سزا سے بچانے کے لئے کفارہ وغیرہ کے مسائل تراشے ہیں۔ ان کو اس سے غلطی لگی ہے۔ کہ ایک عادل بغیر سزا دیئے نہیں رہ سکتا۔ وہ اسے اپنے قوانین کا مالک سمجھے تو یہ سب باتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ لفظ مالک ایک اور لطیف بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ ہم میں اور ہمارے خداوند میں مالک اور مملوک کا رشتہ ہے مالک کی چیز اگر قابل اصلاح ہو جائے یا ناقص واقع ہو تو دفعیہ نقص میں وہ ایسے انداز اختیار کرتا ہے۔ جس سے اسکی چیز میں کوئی اور نقص واقع نہ ہو۔ وہ مملوکہ چیز کو اسی وقت تادیب وتہذیب کے شکنجہ میں کھینچیگا جب مملوک کی اصلاح اس امر کو چاہتی ہو کہ اسکی سزا دہی کسی انتقام کے خیال سے نہ ہوگی۔ بلکہ اصلاح کی خاطر اور سزا دہی بھی اس انداز سے ہوگی۔ کہ مملوک کو حقیقی کوئی نقصان نہ پہنچے اِس طرح مالک یوم الدین میں اگر سزا کی طرف اشارہ ہے تو محبّت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ یعنی یہ سزا جو ہمیں ملتی ہے۔ یہ بھی خدا کے تقاضے محبّت سے ہے۔ اسکی محبّت چاہتی ہے۔ کہ ہم بے عیب و بے نقص ہوں لیکن دفعیہ نقص کسی سختی کو چاہتا ہے۔ اسلئے یہ سختی دراصل محبّت کا ایک ناخوش آیند لباس ہے +

اب اِن چار صفات رب۔ رحمان۔ رحیم۔ مالک یوم الدین پر غور کرو۔ ہر ایک صفت محبّت۔ رحم فضل۔ پیار۔ شفقت۔ رحمت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ ہماری کونسی ضرورت ہے جسے وہ پورا نہیں کرتی۔ ہماری کونسی وہ قوت ہے جسے وہ مثمر نہیں کرتی۔ اگر پیدا کیا پرورش بھی کی۔ اگر پرورش بھی کی تو تکمیل تک بھی پہنچایا۔ افضال در افضال بلا عوض وبدل دیئے

لیکن اگر کہیں ہم کچھ کام بھی کر بیٹھیں تو ایک کام کے عوض ہزار عوض دیا۔ ہاں ہمیں صحیح سڑک پر چلانے کیلئے اور اس میں بھی ہمارا ہی فائدہ ہے کبھی کبھی ہمیں سزا بھی دی۔ فرض کرلو کہ ہمارے ہاتھ میں کوئی کتاب مُقدّس نہ ہوتی نہ خدا کا کامل الہام ہمارے خالق و مالک کا پتہ بتاتا۔ بلکہ ہمیں اپنے خالق و ربّ کا پتہ کائنات سے دریافت کرنا پڑتا۔ تو پھر بیشک غور کرکے دیکھ لو جس خدا کی ہستی اور اس کے کاموں کا پتہ یہ صحیفۂ قدرت اور اس کا ذرّہ ذرّہ دے رہا ہے۔ وہ خدا اپنی چار صفات کا خدا ہے جس کا ذکر قرآن فرماتا ہے۔ آخر دُنیا کے سب مذاہب نے کوئی نہ کوئی نقشہ خدا کا پیش کیا تو کیوں نقشوں کو صحیفۂ قدرت کی معیار پر نہیں تولتے میرے سامنے اس وقت جو بیٹھے ہیں وہ مختلف مذاہب کے پرستار ہیں۔ خود ان صفات کو جو ان کا مذہب تعلیم کرتا ہے معیار مذکورۂ بالا پر پرکھیں پھر اگر ان کے مذہب کی تعلیم اس معیار میں پُوری اُترے تو انہیں ان کا مذہب مبارک۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ سمجھ لیں کہ وہ اس معاملہ میں صحیح راہ پر قدم نہیں مار رہے۔ یہ تو ربّ۔ رحمان۔ رحیم اور مالک یوم الدین ہی ہے۔ جس کی ہستی کا ذرّہ ذرّہ شہادت دیتا ہے۔ کُل کا کُل قرآن انہی چار صفات کی تفسیر ہے۔ یہ تمام شرائع اور قوانین جو قرآن بیان کرتا ہے۔ یہ بھی ان چار صفات کے منشاء کے پُورا کرنے کے لئے تجویز ہوئے۔ ان شرائع پر چلکر ہماری زندگی ان صفاتِ اربعہ کے منشاء کے مطابق ہو جاویگی۔ نیکی کی زندگی اسلامی نکتۂ خیال سے زندگی کو ان چار صفات کے مطابق کرنا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ تخلقوا باخلاق اللہ کر رہا ہے۔ اسی طرح بدی بذاتہٖ کوئی چیز نہیں۔ انہی چار صفات کے تقاضوں کے خلاف چلنا یا اپنی حالت کو ان کے مطابق نہ رکھنا طرح طرح کے جرائم و گناہوں کا باعث ہو جاتا ہے اس طرح کُل کا کُل قرآن ختم ہو جاتا ہے۔ اسمیں اگر بعض مقدس لوگوں کا ذکر

ہے یا اُن کے بالمقابل بعض فاسقوں کا بیان ہے تو وہ بھی انہی صفات کی تفسیر ہے مُقدّس وہی لوگ قرآن میں گنے گئے ہیں۔ جو اِن چار صفات کے مناسب چال راہوں پر چلیں۔ اور فاسق وہی لوگ جو ان راہوں سے متجاوز ہو گئے۔ اس طرح لفظ اللہ کُل تعلیم اسلام و قرآن کا مرکز ہے۔ ہر ایک چیز اس کے گرد گھوم رہی ہے اس طرح یہ کہنا ایک سچی بات ہے کہ جسنے لا الہ الا اللہ کہا۔ اور اسکی عملی تصدیق کی اُسنے کُل مذہب کی تکمیل کر لی۔ اور جنت میں داخل ہو گیا (من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ) اللہ ہی معبود ہے۔ اور یہ لفظ بھی اسی حقیقت کی اظہار کے لئے دُنیا میں موضوع ہوا ہے۔ کیونکہ دوسری زبانوں میں اسکا قائم مقام جو بھی لفظ ہے وہ خدا کی ذات کے سوا اور دن پر استعمال ہوا ہے اور ہو رہا ہے

اِنسان اور کائنات میں اور اِنسان اِنسان میں باہمی رشتہ

ہمارے مذہب کا خُلاصہ یعنی لا الہ الا اللہ ہمیں اسلئے تلقین نہیں کیا گیا کہ اس کے دوہرانے سے جلال خداوندی کے کسی نقص کی تکمیل ہوتی ہے نہ اسلام کا خدا "حاسد خدا" واقع ہوا ہے۔ جو کسی اور کو تختِ خداوندی پر بیٹھا ہوا دیکھ نہیں سکتا۔ کُل کی کُل دُنیا اگر مُشرک ہو جائے۔ تو اُس کے جلال میں کیا کمی ہے اور اگر سب کے سب اس کے پرستار بنجائیں تو اس کی جبروت و عظمت میں کونسی افزائش ہوتی ہے۔ ہم نے اگر خدا کو ایک مانا تو اس سے تو انسان کا خود فائدہ ہے انسان کی سیرت اور اخلاق کی تکمیل و تربیت صحیح طور پر اسی صورت میں ہوتی ہے جب وہ اپنا خالق مالک محبوب اُمید گاہ جائے خوف ایک خدا کو مانے۔ اس لا الہ الا اللہ کی حقیقت پر قائم ہونا ایکطرف ان رشتوں کی حد بندی کر دیتا ہے۔ جو انسان اور کائنات میں ہیں۔ اور دوسری طرف اِن تعلقات کو محدود و مُقیّد کر دیتا ہے جو ایک انسان کے دوسرے اِنسان کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ اگر میرا خدا ایک خدا ہے۔ اور خدا ہی جس کی شان کبریائی

ہے۔ تو پھر کُل کی کُل کائنات جسمیں اِنسان بھی شامل کر لیا جائے۔ وہ یا میرے برابر یعنی مجھ میں اور اسمیں مساوات ہے یا مجھ سے کم یعنی مجھ میں اور اس میں خادم مخدوم کا رشتہ۔ صرف یہ خیال کہ خدا ایک ہے۔ اس بات کے ماننے کے لئے تیار کر دیتا ہے۔ کہ استعدادات کے لحاظ سے میں کسی اور انسان کو اپنے سے زیادہ نہ سمجھوں اور اس پر ایمان رکھوں کہ جو ایک اِنسان کرتا ہے۔ وہ دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کے سمجھنے سے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے اِنسان کے مخفی جوہر ظاہر ہونے لگجاتے ہیں۔ اور اسی کی طرف اِنسان کو متوجہ کرنے کے لئے خیر البشر (صلعم) کے مُقدّس ہونٹوں پر یہ پاک فقرہ جاری ہُوا۔ انا بشر مثلکم یوحی الیّ انما الٰھکم اللہ واحد۔ ترجمہ میں تجھ جیسا ایک بشر ہوں۔ ہاں اللہ نے تم سب میں سے مجھے ایک پیغام پہنچانے کیلئے چُن لیا۔ اور وہ پیغام یہ ہے۔ کہ ہمارا خدا ایک خدا ہے +

پیش ازیں کہ میں مساوات انسانی پر مزید روشنی ڈالوں میں بہ رعایت اختصار اِنسان اور کائنات کے مابین رشتہ کے متعلق کہنا چاہتا ہوں جسے قرآن کریم نے اِن چند لفظوں میں ظاہر کر دیا۔ وسخر لکم ما فی السمٰوات والارض جمیعاً (ترجمہ۔ جو کچھ بھی زمین و آسمان میں ہے ہمنے انہیں تمہارے لئے مسخر کر دیا وہ تمہارے غلام و خادم ہیں تمہاری خدمت دینے کو مجبور ہیں) جاؤ اِن راہوں کی تلاش کرو۔ اور ان کو اپنا حقیقی خادم بنالو۔ یہ آیت اِنسان کو خدا کا خلیفہ اور کائنات کا بادشاہ قرار دیتی ہیں نسل اِنسانی کا قائمقام یعنی جدِ اوّل حضرت آدمؑ کا ذکر جو قرآن میں بطور مسجود ملائکہ آیا اسکی بھی حقیقت یہی تھی۔ یہ جگہ فرشتوں کی حقیقت پر بحث کرنے کی نہیں۔ فی الجملہ میں اسیقدر کہہ سکتا ہوں۔ کہ اسلامی الٰہیات میں ملائکہ ان بالارادہ وجودوں کا نام ہے جو قوائے فطریہ کے متعلق منشاء خداوندی ظہور میں لے آتے ہیں۔ جسقدر بھی کائنات میں چیزیں ہیں انہیں منشاء الٰہی نے کسی

نہ کسی مقصد کے لئے بنایا ہے۔ اسی منشاء الٰہی کا نام صفاتِ اشیاء ہے۔ یہ صفات جن بالارادہ شخصیتوں کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ قرآن میں ملائکہ کے نام سے پکارے گئے ہیں۔ انسان اوّل ابنِ آدم کو سجدہ کر کے یہ بتلا دیا۔ کہ کُل کائنات کے پال و پرزے ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ انکی مشینری کے چلانیوالے ہم ہیں۔ ہر کائنات کی چیز میں ہم بمنزلہ رُوح وجان کے ہیں ہم آپ کو آج سجدہ کرتے ہیں۔ اور اس سجدہ کے ذریعہ اطاعت اور انقیاد کا اقرار کرتے ہیں (فعلم آدم الاسماء کلها) تم جس جس چیز کے متعلق علم تحقیق حاصل کر کے اس کے خواص کا علم حاصل کر لو۔ اور اس علم کے ذریعہ اس چیز کو استعمال کرنا چاہو۔ ہم ان خواص کو تمہارے منشاء کے مطابق ظاہر کر دیں گے۔ اور اس امر کا اقرار ہم اِس سجدہ کے ذریعہ کرتے ہیں۔ اسلام کے ظہور سے پہلے یہ مظہر مظاہر قدرت ہمارے خدا بنے ہوئے تھے آفتاب چاند۔ شجر۔ حجر۔ نجم کونسی چیز تھی۔ جس کو ہم نے خدا نہیں بنا رکھا تھا۔ یہ سارے کے سارے تختِ الوہیت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسلام آیا اور اس نے یہ اسرارِ قدرت انسان پر ظاہر کرنے کہ یہ سب کی سب چیزیں تمہارے خدا نہیں بلکہ تمہارے خادم۔ ان تمام خداؤں کو ہمارا غلام بنا دیا۔ وہ جو کُل ہمارے معبُود تھے۔ آج ہمارے عابد ہو گئے۔ یہ ایک بدیہی امر ہے۔ کہ جب تک قدرت کے مختلف قویٰ اور اسکے مختلف مظہر ہمارے خدا رہے۔ نہ ہم ان سے خدمت لینے کا خیال کر سکتے تھے۔ اور ان راہوں کی تلاش کر سکتے تھے۔ جن سے وہ ہمارے خادم ہے معبُود سے خدمت لینا یہ خود کفریات میں داخل ہے۔ تو پھر یہ حالات ہوں تو کس کے علوم اور کس کی تحقیق۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب تک اسلام نہ آیا دُنیا میں علوم جدیدہ کی تحقیق و دریافت کی بنا نہ پڑی۔ اسلام آیا اور اس نے ان معبودوں کو غلام ظاہر کر کے ہمیں ان راہوں کے دریافت کی طرف متوجہ کر دیا کہ جن سے ہم ان کو اپنی خدمت میں لے آئیں۔ اسی دریافت کا نام سائنس ہے

اور سائنس کیا بلا ہے۔ اسلئے جہاں تک سائنس کا ظہور اسلام کا محتاج رہا۔ وہ امر بدیہہ ہے۔ چنانچہ اسلام نے ہی سائنس کی بنیاد ڈالی۔ اسلام کے بعد ہی ظہور علوم ہوا۔ لہٰذا اگر ہم خدا کو ایک جانتے ہیں۔ اور اسکی وحدانیت پر زور دیتے ہیں۔ تو اس سے کوئی جلال خداوندی کو تعلق نہیں۔ اس سے کوئی ہم خدا کی عظمت نہیں بڑھاتے۔ بلکہ ہم اپنی عظمت کو آپ قائم کرتے ہیں۔ اسطرح ہم کسی انسان کے متعلق مساوات کا خیال ہی کب کر سکتے ہیں۔ جب ہم اسے اپنا خدا بنائے ہوئے ہیں۔ اسمیں چند ایک کمالات ہوتے ہیں جو ہمیں حیران کر کے ہمارے ہاتھوں سے اسے لباس الوہیت پہنا دیتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اسے اپنے برابر سمجھیں۔ اور ایمان بالتوحید کی یہی نشانی ہے۔ تو لازمًا اسے کمالات انسانی قرار دیکر اپنے آپ میں انکی استعدادوں کا ہونا تسلیم کر لیتے ہیں وہی استعدادیں صحیح راہوں کو اختیار کرنے سے ظہور میں آجاتیں ہیں ہم وہی ہو جاتے جو ہمارے خدا تھے۔ ہم نے ان کو خدا سمجھا۔ اور ہم ان کمالات سے محروم ہو گئے۔ اگر دنیا کے خدا جسم کی بناوٹ کے لحاظ سے ویسے ہی ہیں جیسے ہم ہیں۔ تو یہ مساواتِ جسم مساواتِ اخلاق و روحانیات کو چاہتی۔ اگر ہم اس مساوات پر ایمان رکھیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم انہیں خدا بنائے رکھیں تو سب کے سب شریف اخلاق تباہ ہو کر ہماری گردن میں طوق غلامی ڈالدیتے ہیں۔ الغرض اسلام آیا اور اس نے دو باتیں بیان کیں۔ کہ انسان انسان میں مساوات ہے اور انسان اور دیگر کائنات میں مخدوم و خادم کا رشتہ ہے۔ اسلام سے پہلے انسان ان دونوں حقوق کو گنوائے ہوئے تھا۔ نہ اسمیں دوسرے انسانوں کے کمالات پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوتا تھا۔ نہ وہ اپنے غلاموں سے حقیقی خدمت لیتا تھا +

باقی آیندہ

برکات مصائب

(از قلم جناب حافظ محمد حسن صاحب بی۔ اے)

ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات ۰ وبشر الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون

ترجمہ۔ اور البتہ ہم تم کو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال و جان اور پیداوار اراضی کی کمی سے آزمائیں گے۔ اور اے پیغمبر صبر کرنے والوں کو خوشنودئی خدا اور کشائش کی خوشخبری سُنا دو۔ یہ لوگ جب ان پر مصیبت آ پڑتی ہو تو بول اُٹھتے ہیں۔ کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں (ہم کو جس حال میں چاہیے رکھے) اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ تو وہ ہم کو ہمارے صبر کا اجر دیگا۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی عنایت اور رحمت ہے اور یہی راہ راست پر ہیں"۔

ہماری زندگی میں آئے دن ایسے واقعات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ جنکی وجوہات تک ہماری رسائی نہیں ہوسکتی۔ اس عالم کون و مکان میں حالات کا تغیر و تبدل اس تیزی و سُرعت سے ہو رہا ہے کہ ہماری عقول ان کی فہمید سے قاصر آگئی ہیں ہمارے ذہنی اور دماغی قویٰ کی ترقی۔ ہماری علمی اور طبعی تحقیقات قدرت کے ان اسرار مخفیہ کو طشت از بام نہیں کرسکیں جن کا تعلق نوع انسان سے ہے مگر جو انسانی قدرت و طاقت سے بالکل باہر ہیں۔ ابتدائے آفرینش ہی سے قدرت کے یہ حیرت انگیز کارنامے معرض وجود میں آرہے ہیں۔ مگر ان کے متعلق انسانی علم جوں کا توں ہی ہے۔ اس دار المحن میں مصائب کی ایسی آندھیاں چلتی ہیں کہ ان کے سامنے اڑنے والے برنا و پیر سب غبار کی طرح اُڑنے لگتے ہیں۔ وبا۔ قحط۔ موت اور ناکامی وغیرہ ان مصائب کی مختلف شکلیں ہیں۔ بعض

اوقات ہماری ظاہر بیں آنکھیں اُن کی اصلی وجوہات نہیں دیکھ سکتیں۔ اور ہم یہ دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ کہ بیگناہ اور گناہگار یکساں مصائب کا شکار ہو رہے ہیں۔ جتنا زیادہ ہم تدبر کرتے ہیں اُتنی ہی زیادہ ہماری حیرانی بڑھتی ہے۔ مصائب کی اس ہیئت کذائی کو دیکھ کر صفاتِ الٰہی اور ہستی باری پہچاننے کے متعلق انسانوں میں عظیم الشان اختلافات پیدا ہوگئے ہیں۔ وہ لوگ جنہیں اپنی دماغی طاقتوں پر ناز ہے۔ اور جو دل کی جدائی کیفیتوں اور اُلفت بھرے جذبوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے دُنیاوی مصائب اور تکالیف کو دیکھ کر ملحد ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اہل زمین کا فریاد و واویلا اضطراب و بیقراری اور دل کو ہلا دینے والی چیخ و پکار کو وہ لوگ اللہ تعالےٰ کی صفات رحم و کرم الطاف و بخشش وغیرہ سے تطبیق نہیں دے سکتے۔ ایک نادان معصوم بچہ موت کے جفا کار ہاتھوں میں گرفتار ہو کر بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر جان دیتا ہے پس ایسے لوگ اس واقعہ کو قدرت کی غیر ذی شعور طاقتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور کارخانۂ عالم کے کسی ذی شعور موجد کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہندوستان کے رشیوں کو بھی یہ راز حل کرنے میں بڑی دقت ہوئی ہے۔ اور اس معاملہ میں انہیں کوئی معتد بہ کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ خدا کی ہستی کا بھی انکار نہ کرسکے۔ اور ساتھ ہی ان کو اللہ کی صفات میں جور و ستم جیسی قبیح صفتوں کو شامل کرنے کی جرأت ہوئی۔ آخر انہوں نے مسئلہ تناسخ اختراع کیا۔ ان کے زعم میں نادان معصوم بچوں کی تکلیفیں کسی دیوتا کے جور و ستم کا نتیجہ نہیں ہوتیں۔ بلکہ بچّہ کے ساتھ زندگی کے اعمال کا حصہ ہوتی ہیں۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ جرموں کی سزا دی جائے۔ پس انصاف الٰہی کا ظہور اس طرح ہوتا ہے۔ کہ ہماری گذشتہ زندگی کے اعمال کی سزا ہمیں موجودہ زندگی میں ملتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب ہر انسان اس دارالمحن میں مصائب سے نالاں ہو تو کیا انسان ایک ہی انسان ہے جسمیں نیکی

اور خوبی کا مکمل فقدان ہو۔ کیا دنیا کے عظیم الشان انسان مثلاً انبیا۔ رشی
اور اولیا وغیرہ جو اپنی تمام عمریں مصیبتوں اور تکلیفوں کی نذر کر گئے اپنے
وقتوں کے سب سے بڑے مجرم تھے۔ مسئلہ تناسخ کی روشنی میں اگر اس سوال کا
جواب دیا جائے تو خود اس کے ماننے والے اس جواب سے کوئی بہت زیادہ خوش نہونگے
اس سوال کو ہم ایک اور نقطۂ خیال سے دیکھتے ہیں۔ تمام مہذب ملکوں میں
بلکہ نیم وحشی قوموں میں بھی یہ دستور ہے۔ کہ مجرموں کو سزا دینے سے پہلے انہیں انکے
جرموں کی اطلاع دیجاتی ہے۔ تاکہ اس کا اثر انکی اور دوسرے لوگوں کی آئندہ
زندگیوں پر خوشگوار ہوتا رہے۔ مگر مسئلہ تناسخ کے ماننے والو! خدا کیلئے
مجھے بتاؤ کہ ایسے جرموں کی سزا کا فائدہ خود مجرموں کو دیگر لوگوں کو کیا ہو سکتا
ہے جو ایک نامعلوم زمانہ میں نامعلوم شکل میں نمودار ہوئے۔ کیا ہمارے ان
ہندوستانی بزرگواروں نے اللہ تعالیٰ کی صفات سے وانش کو نہیں خارج
کر دیا۔ اگرچہ جور و ستم سے فرضی الزام کو کسی نہ کسی طرح انہوں نے دور کرنے
کی کوشش کی ہے +

اسلام نے اس راز کو عجیب طرح سے منکشف کیا ہے۔ اور
اسلامی تعلیم اس لحاظ سے نہایت خوبصورت اور شاندار ہے۔ جیسا کہ
قرآن کریم کی محولہ بالا آیہ سے واضح ہوتا ہے جس کا ترجمہ ہم پھر ذیل میں
درج کرتے ہیں +

" البتہ ہم تم کو تھوڑے سے خوف اور بھوک سے مال و جان اور پیداوار
ارضی کی کمی سے آزمائیں گے۔ اور پیغمبر صبر کرنیوالوں کو خوشنودی خدا اور کشایش
کی خوشخبری سُنا دو۔ یہ لوگ جب ان پر مصیبت آپڑتی ہے۔ تو بول اٹھتے ہیں کہ
ہم تو اللہ ہی کے ہیں (ہم کو جس حال میں چاہے رکھے) اور ہم اسی کی طرف
لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ تو وہ ہم کو ہمارے صبر کا اجر دے گا۔ یہی وہی لوگ
ہیں جن پہ ان کے پروردگار کی رحمت و برکت ہے۔ اور یہی لوگ

دراہِ راست پر ہیں "۔ پس قرآن کریم کے رُو سے یہ تکالیف اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہیں کسی خشمناک اور غضبی دیوتا کے جور و ستم کا نتیجہ نہیں ۔ بلکہ اس خدائے بزرگ کی طرف سے ہے ۔ جو ان مصیبتوں کو نازل کر کے انسانی اخلاق کی تربیت کرتا اور نشو و نما دیتا ہے ۔ بیشک تکمیل اخلاق کے لئے ہمیں ان کے اظہار کے مواقع چاہئیں ۔ خطرہ کی عدم موجودگی میں ہم سب یکساں طور پر شجاع اور بہادر ہیں ۔ مگر خطرہ کے ظہور کے وقت ہم میں سے کوئی ہوگا جس کا دل اندر ہی اندر سے نہ لرز رہا ہو ۔ ہم ان لوگوں کی وفاداری کا ادعا کرتے ہیں جنہیں ہم دل سے چاہتے ہیں مگر جب ہماری وفا کی آزمائش ہوتی ہے ۔ تو بہت کم ہیں ۔ جو اس آزمائش میں پورے اترتے ہیں ۔ صبر ایک بہت بلند صفت ہے ۔ اور انسان اسکی تشریح میں دفتر کے دفتر سیاہ کر سکتا ہے ۔ مگر ایک چھوٹی سی مصیبت کے دار د ہونے سے وہی انسان بعض اوقات حالت دیوانگی تک پہنچ جاتا ہے ہماری اعلیٰ طاقتوں کا بیشک اسی وقت ظہور ہوتا ہے جبکہ خداوند تعالےٰ ہمیں تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال و جان ، اور پیداوار ارضی کی کمی سے آزماتا ہے ۔ پس ہم پر ان مصائب کے دارد کرنیکی علت غائی قرآن کریم کے رو سے یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کی ترقی ہو ۔ اور ہمارے قوائے مخفیہ کا ظہور ہو ۔

دوسرا بڑا اصول جو فلسفۂ مصیبت کا رکن رکین ہے یہ ہے کہ مسلم کی زندگی کا نصب العین اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے ۔ مگر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اظہار مصیبت اور دکھ کے دوران میں الفاظ ذیل سے بڑھ کر کسی اور طریق سے نہیں ہو سکتا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

مسلم کی تمام زندگی ۔ اس کے مختلف شعبے اور مشاغل ۔ اس کا دائرہ عمل ۔ اس کے فرائض منصبی ۔ اسکی حقوق طلبی ۔ اسکی خوشی اور بہبودی ۔ اس کا قدرتی شغف اور حبُ الوطنی سب کے سب اللہ کی رضاجوئی کی محکم زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں ۔ یہ وہ تعلیم ہے جو قرآن کریم نے آج سے تیرہ سو برس قبل الفاظ ذیل میں تلقین کی ۔ قل ان صلوٰتی

ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین" کہدو کہ میری نمازیں میری قربانیاں میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جو پروردگار عالم ہے پس معبود کے احکام کی فرمانبرداری کی اس رُوح کو مضبوط کرنے کیلئے ضروری تھا۔ کہ عبد کو سخت مصیبتوں میں ڈالکر اسکی آزمائش کیجاتی۔ اگر وہ ان مصائب کی چلتی چکی میں پس پس کر حرفِ شکایت زبان پر لانے کی بجائے پکار اُٹھے کہ

انا للہ وانا الیہ راجعون

تو یہ پکار زمین سے اُٹھ کر عرش بریں کو پہنچتی ہے اور وہاں سے اسکے جواب میں یہ ندا آتی ہے۔ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی ودخلی جنتی" یعنی اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ میرے بندوں میں شامل ہو کر میرے جنت میں داخل ہو جا"۔

اس کے بعد اس آیہ میں یہ بتلایا گیا ہے۔ کہ ان لوگوں پر ان مصائب کا کیا اثر ہوتا ہے۔ جو ان کے ظہور کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سرچشمۂ الٰہی سے رُوحانی سیرابی حاصل کرتے ہیں۔ وہی مصیبتیں جو انہیں پہنچی تھیں رحمت اور برکت بن جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ ان مصیبتوں کی علّت غائی کو سمجھ لیتے ہیں یعنی وہ جان لیتے ہیں۔ کہ ان مصائب سے ان کے اخلاق فاضلہ کی تکمیل ہوگی۔ اور انکی صفاتِ مخفیہ کا اظہار ہوگا۔ اسی لئے فرمایا۔ اولٰئك علیھم صلوٰۃ من ربھم ورحمۃ۔ اور چونکہ وہ فلسفۂ مصیبت کے تمام پہلوؤں کو ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ اسلئے وہ ہدایت پا کر اولٰئك ھم المھتدون کے شاندار القاب کے مستحق ٹھیرتے ہیں

کیا یہ ایک فرضی تعلیم ہے جس کا دُنیائے عمل میں کبھی ظہور نہیں ہوا ہ ہرگز نہیں۔ ہمارے نبی پاکؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس تعلیم کے عملی تاثرات سے لبریز ہے دُنیا میں اور بھی نبی اور فلاسفر گذرے ہیں۔ مگر دُنیا کی تاریخ صرف ایک ہی

ایسی مثال پیش کر سکتی ہے۔ اور وہ رسول عربی صلعم کی ہے۔ جہاں کہ اعتقادی اصول اور زندگی کے کارنامے باہم ایسے مربوط نظر آتے ہیں کہ گویا ایکطرف الفاظ ہیں تو دوسری طرف انکی عملی تفسیر۔ نبی کریمؐ ایک عملی معلم تھے۔ وہ ان چیزوں کی تلقین کرتے تھے جن پر کہ وہ خود عمل پیرا ہوکر دنیا کو دکھا دیتے تھے +

حضرت محمد الرسول اللہ کی پیدائش سے پہلے انکے والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا۔ ابھی آپ چھ ہی برس کے تھے۔ کہ آپ سے ہمیشہ کیلئے آغوش مادر جدا کر لی گئی ہو۔ یہ یتیم اور نادار عرب لڑکا دُنیا کی تاریخ میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کرنیوالا تھا۔ اور انسانیت کے تمام محسنوں میں سب سے بڑا محسن اور انبیاے عالم میں سب سے بڑا نبی ہونیوالا تھا۔ یہ وہی بچہ تھا۔ جو بعد میں اِس شعر کا مصداق ہوا ؎

یتیمے کہ نا کردہ قرآں درست کُتب خانۂ چند ملت بشُست

زندگی کے ہر مرحلہ میں آپ کو تکالیف کا سامنا ہوا جن کا تصور بھی جسم اِنسانی پر لرزہ پیدا کر دیتا ہے۔ مگر وہ برگزیدۂ خدا ہمیشہ پروردگارِ عالم کو اپنی ربُوبیت کے تمام صیغوں کا متکفل سمجھتا رہا۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ کے بچوں نے جانیں دیں۔ آپ کی محبّ اور محبوب بیوی خدیجۃ الکبریٰ آپ کی زندگی میں آپ سے جُدا ہوگئی۔ آپ کے چچا ابو طالب بھی اس وقت آپ کو داغ مفارقت دیگئے۔ جبکہ معاندین اسلام جذبات انتقام وعناد سے مشتعل ہوکر آپ کو اور آپ کی مختصر سی جماعت کو نہایت دردناک عذاب دے رہے تھے۔ آپ چچا کی عدم موجودگی میں تنہا اور بیکس رہگئے۔ مگر آپ کے دل میں مطلق کوئی اضطراب نہ تھا۔ اطمینان قلب کی یہ حالت تھی۔ کہ آپ پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ سلسلۂ اشاعت وتبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عرب جس کی ریت کا ایک ایک ذرہ مسلمانوں کے خون کا پیاسا نظر آتا تھا۔ ایک بوستانِ محبت

بنگیا جس کی شمیم انگیزیاں اب تک دماغوں کو معطر کئے ہوئے ہیں۔ ان مصائب اور تکالیف کو برداشت کر کے آخر آپؐ کو وہ کامیابی ہوئی۔ کہ ہر طرف ابر رحمت ہی سایہ فگن نظر آنے لگا۔ عرب لوگ جو ایکدوسرے کے جانی دشمن تھے باہم بھائی بھائی بنگئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی ایک جیتی جاگتی چلتی پھرتی تصویر بنگئے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا .... الخ ترجمہ اے مسلمانو! اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور باہم تفرقہ بازی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو۔ جس کا ظہور اس وقت ہوا جبکہ تم دشمنی اور عناد یا خوفناک آتشیں گڑھے میں گرنے والے تھے۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور اللہ نے تمہیں بچا لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں صاحب عقول کے لئے بیان فرماتا ہے۔ یہ تھا عملی نمونہ اس رسول پاکؐ کا جبکے حلقۂ اثر میں اس وقت انسانیت کا چوتھا حصہ اپنی جسمانی، اخلاقی اور روحانی زندگی بسر کر رہا ہے۔ صلو علیہ وسلمو تسیلما

اس مضمون کو زیادہ واضح کرنے کے لئے ہم قارئین کرام کی توجہ اس دعا کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ جو میت کے جنازہ ادا کرتے وقت پڑھی جاتی ہے۔ اس کا آغاز الحمد للہ رب العلمین سے ہوتا ہے۔ اب آپ فرض کریں کہ ایک نوجوان کے سر پر سے پدر مہربان کا سایہ اٹھ گیا ہے باپ کی نعش ابھی زیر زمین مدفون نہیں ہوئی۔ اسکی امداد و اعانت کا چشمہ خشک ہو چکا ہے۔ اس کا تصور اس کے سامنے نہایت قبیح شکل میں اس کے مستقبل کو پیش کر رہا ہے۔ اسکے کندھوں پر اہم فرائض آن پڑے ہیں۔ اسکی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں اس مایوسی، اندوہ اور حزن کے عالم میں اسکی زبان الحمد للہ رب العلمین کا ورد کرتی ہے اسی وقت اسکے دل سے ... تکلیف ہو جاتی ہے اور اسے یقین آجاتا ہے کہ میری ہر قسم کی ربوبیت کرنیوالا تو کوئی اور ہے وہ تو ایک حاضر و ناظر ہستی ہے جسے فنا نہیں۔ وہ قادر مطلق خدا ہے جس کی طاقتوں کی انتہا نہیں

مرحوم تو ان بیشمار وسائل میں سے ایک ادنےٰ وسیلہ تھا۔ جو اللہ تعالےٰ نے میری تربیت کیلئے مقرر کر رکھے ہیں۔ وہ بے نیاز مولیٰ پھر کوئی اور وسیلہ بنا دے گا پس باپ کی موت ہی میں اسے اپنے اخلاق کی ایک گونہ نشوونما نظر آجاتی ہے۔ وہ اپنی ذاتی مساعی پر بھروسہ کرنا سیکھ جاتا ہے۔ اسے اپنے آپ پر اعتماد ہوجاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہوا تمام مصیبتوں کے مقابلہ کیلئے تیار ہوجاتا ہے۔ پس ہر ایک مصیبت کے نازل ہونے سے ایک مومن کا ایمان پختہ ہوتا ہے۔ اور ایمان کی یہ پختگی صرف الفاظ اور عقاید ہی سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ رسُول اکرم صلعم کا اسوۂ حسنہ زندگی کے ہر مرحلہ میں مسلم کیلئے مشعل ہدایت بنتا ہے۔ اور وہ دوڑ دوڑ کر اور خوش ہو ہو کر زندگی کی کٹھن منزلیں طے کرتا ہے +

مسیحی سائنس

(ایک صوفی کی قلم سے)

بیماروں کو شفا دینا اور بھوتوں کا نکالنا جناب مسیح کے عہد نبوت کے یہ وہ بڑے نشان دکھائی دیتے ہیں لیکن ایسی باتیں اوروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور خاص انہیں کے حصّہ میں نہیں آئیں کیونکہ بنی اسرائیل کی باقی اولاد بھی اس قسم کا کام کرتی رہی ہے علاوہ بریں مسیح نے ایسی ہی طاقت اپنے شاگردوں کو بھی عطا کی اگرچہ وہ بہت ہی بد اعتقاد تھے چنانچہ مسیح کے اپنے الفاظ ہیں کہ جس کسی میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ پہاڑوں کو ہلا سکیگا۔ یہ سب کچھ ہمیں انجیل سے ملتا ہے۔ اور اس سے دو امر ثابت ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ ہر انسان میں پہاڑوں کو ہلا دینے اور عجائبات دکھلانے کی طاقت موجود ہے۔ دوم مسیح کا خود دوسروں کو طاقت عطا کرنا بھی سراسر بیہود اور لاحاصل تھا البتہ ایمان کے ساتھ خاص خاص طرح کے عمل انہیں اصل مدعا اور غرض حاصل کرنے میں مدد دیتے تھے۔ اسی امر کیطرف مسیح کا اشارہ ہے جبکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ تمہارے نزدیک کوئی چیز بھی بیرون از امکان نہیں ہو سکتی لیکن یہ طاقت عبادت اور روزہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے

پس ایمان روزہ اور عبادت ہی تین ضروری شرائط ہیں جن سے طاقت مطلوبہ حاصل ہو سکتی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے
کہ مسیح نے کس قسم کے ایمان کا ذکر کیا ہے عیسائیوں میں بھی ایک طرح کا ایمان ہے لیکن اس ایمان کا پھل اور نتیجہ
جس کا ذکر یسوع نے کیا ہے ہمیں نظر نہیں آتا۔ مسیح کے بعد اس کے حواریوں نے عبادت اور روزے
سے اپنے ایمان کو تقویت دی اور ان سے اس قوت کا اظہار ہوا۔ جو مسیح نے انہیں دی تھی لیکن بعد ازاں
سچے ایمان کی نشانیاں سب غائب ہو گئیں عیسائیت کی ابتدائی حالت میں بعض پادریوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ
انہوں نے اسی قسم کی طاقت کا اظہار کیا لیکن اس زمانہ میں پادری لوگ اپنا مطلب حاصل کرنے کیلئے جھوٹی
کہانیاں اور قصے تیار کرنے میں اس قدر مشتاق تھے کہ انکے وقت کی تاریخی کتابیں بھی اس قابل نہیں کہ ان پر غور و خوض
کیا جائے بہر حال کلیسا میں متذکرہ صدر طاقت کا نشان نہیں پایا جاتا اور اسکے اسباب بآسانی مل سکتے ہیں
یہ بات صاف ہے کہ عمل کے بغیر ایمان کچھ حقیقت نہیں رکھتا اور چند ایسے مسائل پر اعتقاد رکھنے سے جو ہمیں تمام
ضوابط و قواعد سے آزاد کر دے ہماری تمام اعلے اور لطیف قوتیں مردہ اور بیحس ہو جاتی ہیں +

معلوم ہوتا ہے کہ جو مذہب یسوع دنیا میں لایا وہ اس مذہب سے بالکل مختلف تھا جو کلیسا نے پیش کیا۔ جناب مسیح
زندگی کے ان خاص ضابطوں اور اصولوں کو عمل میں لانے پر زور دیتے اور انہیں کو ایمان سمجھتے تھے جنکو انجیلی اصطلاح
میں احکام کا نام دیا جاتا ہے لیکن کارپردازان گرجا یعنے کلیسا انہیں لعنت کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اور ایک
خاص قسم کا تراشیدہ اعتقاد کافی قرار دیکر ان احکام کو خیرباد کہتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا
جاتا ہے تو جو ایمان ماسٹر یعنے مسیح نے سکھلایا وہ بالکل مرجھا گیا ہے اور اب پھل دینے سے قاصر ہے۔ اور وہ وراثت
جو قدیم زمانہ سے نبیوں کے ذریعہ انسان تک پہنچتی رہی تھی بالکل کھوئی گئی ہے زمانہ حال کے لوگوں کے نزدیک صرف
قصہ و کہانی کا رنگ رکھتی ہے گویا یہ تاریخ عیسائیت کا ایک واقعہ ہے اور گویا یہ اس قدر مقدس ہے کہ دوبارہ
ظہور میں نہیں آسکتا بلکہ اگر کوئی اس قسم کی طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اسکے خلاف پرہیزگار پادری بھڑک
اٹھتے ہیں اور اپنا جوش خطبوں اور اخبارات کے ذریعہ نکالتے ہیں +

لیکن انسان کی طاقتیں اور قوتیں مر نہیں سکتیں۔ کچھ عرصہ کیلئے اگر وہ نظر نہ آئیں تو موافق حالات پیدا ہونے پر
وہ نشو و نما پانے لگجاتی ہیں عیسائی مذہب کے عقاید پر ایمان لانے کے بغیر بھی مشرق میں اکثر لوگ بھوتوں کو نکالتے
اور بیماروں کو تندرست کرتے رہتے ہیں اور یہ طاقت انہیں خاص قواعد پر چلنے اور مقررہ طور پر مشق کرنے سے حاصل ہوتی ہے +
اب جبکہ مشرق اور مغرب میں آمد و رفت شروع ہوئی ہے تو آخر الذکر کو اپنی گم کردہ میراث کا خیال پیدا ہو گیا ہے

اور وہ لوگ جو من گھڑت عیسائی مسائل کی پرواہ نہ رکھتے تھے مسمریزم ہیپنوٹزم اور دیگر اسی قسم کے علوم باطنی کی طرف رجوع کر کے اپنے لئے تسکین ڈھونڈھنے لگے لیکن جن میں ان مسائل کی طرف سے بے اعتنائی کرنے کی جرأت نہ تھی۔ وہ مسیحی سائنس یا علوم پر عمل پیرا ہو کر اپنی پیاس بجھانے کی فکر میں ہوئے +

لیکن یہ ہر دو طریق اصل میں ایک ہی ہیں۔ جن لوگوں کو ہیپنوٹزم اور مسیحی سائنس سے واقفیت ہے۔ اور انکے اصولوں کو جانتے ہیں۔ وہ فوراً کہہ دینگے کہ مشق کرنے کے لئے ان ہر دو کے بنیادی اصول ایک ہی ہیں۔ قوت ارادی کو مشق سے مضبوط کیا جاتا ہے۔ اور مقناطیسی طاقت کو بڑھایا جاتا ہے۔ اس طرح ایک ماہر اور مسیحی سائنس کا پیرو ہر دو ایک ہی طرز کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں +

اسمیں کوئی شک نہیں کہ کسی خاص مقام پر پہنچنے کیلئے مختلف ذریعے اور مختلف راستے ہیں لیکن جس راہ سے کم مسافت طے کرنی پڑے وہی نزدیک گنا جاتا ہے۔ اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہم سب میں عجیب عجیب قوتیں موجود ہیں جو ترقی پذیر ہیں۔ اور نشو و نما پا سکتی ہیں۔ لیکن انسانوں کے بڑے بڑے استادوں نے جنہیں پیغمبر یا رشی یا خدا کے فرزند کا نام دیا جاتا ہے ہمیشہ کچھ طریقے اختیار کئے ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی بھی ہوتی ہے۔ اگر اسکے بغیر مافوق العادت و عجیب باتیں دکھائی جائیں تو وہ شعبدہ بازی اور ہنر کی ذیل میں شمار کیجاتی ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو دھوکہ دیکر ان کی جیبیں خالی بھی کرالی جا سکتی ہیں لیکن برخلاف اسکے اعلےٰ درجہ کی روحانیت اور اخلاق سے ہماری بڑی بڑی پوشیدہ قوتوں کو بڑھانے اور انہیں جلا دینے میں حد درجہ کی مدد دیتی ہیں۔ اسی لئے جناب مسیح نے ایمان کے ساتھ عبادت اور روزہ پر زور دیا۔ تاکہ انسانی زندگی کا یہ اعلیٰ مقصد حاصل ہو مگر ہمارے میں مسلمانوں کا قرآن مجید ایک مکمل اور بسیط تر کتاب ہے۔ اعتقاد عبادت اور روزہ کے علاوہ اسلام راست گفتاری صبر عاجزی۔ نیک چلنی انسانی ہمدردی اور رضا بالقضاء کا بھی حکم دیتا ہے اور بعض ایسی ہیں بھی تجویز کرتا ہے جن کا تعلق جسم سے ہے۔ ہر ایک قسم کے بیمار کو شفا دینا ایک معمولی بات ہے۔ جس انسان کی روح ترقی کر جائے۔ وہ خدا کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے بعض اوقات خدائی صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ اسلام ہی ہے جو ہر ایک حق کے متلاشی کے لئے اس قسم کی اعلےٰ اور ارفع زندگی کا دروازہ کھولتا ہے +

لمعاتِ انوارِ محمدیہ

حضرت رسولِ کریم صلعم کے پاک حالات آپ کے خلقِ عظیم کا آئینہ حسن و محاسنِ حضرت کا فوٹو ۔ علمی ۔ ادبی ۔ اخلاقی و اصلاحی مضامین کا دلنواز مجموعہ ۔ آنحضرت صلعم کے مختلف شعبہ ہائے زندگی کا دلکش مرقع جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ۔ ایل ایل بی مسلم مشنری و حضرت مولوی صدر الدین صاحب بی اے ۔ بی ٹی و حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی و جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا و جناب مارمیڈیوک پکتھال صاحب و جناب ایس ۔ ایچ لیڈر مصنف ٹرسٹ و دیگر مشاہیر قوم کے گرانقدر مضامین ہیں جو نہایت قابل دید ہیں اور آنحضرت کو مختلف حیثیتوں میں پیش کیا گیا ہے قیمت ۶ ر بیجلد مجلد ۱۰ ر

مروارید ثلاثہ

۱ ۔ براہین نیرہ ۔ حصہ اول ہمدردی ۔ بہ زندہ و کامل الہام ۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۱۲ ر
۲ ۔ اسوہ حسنہ ۔ ۔ ۔ زندہ و کامل نبی ۔ ۔ ۔ ۔ ۸ ر
۳ ۔ ام الالسنہ ۔ ۔ ۔ زندہ و کامل زبان ۔ ۔ ۔ ۱۲ ر

ان تین کتابوں میں علی الترتیب یہ تین باتیں ثابت کی گئی ہیں ۔ کہ کتابوں میں کتاب قرآن نبیوں میں نبی (حضرت) محمد عربی ۔ اور زبانوں میں زبان عربی ہے ۔ براہین نیرہ میں یہ بحث ہے کہ کل کتب مقدسہ کے مقابل قرآن ناطق خاتم اور کامل الہام ہے ۔ تہذیب و تمدن انسانی پر قرآن کی تعلیم اس میں جمع کی گئی ہے ۔ اسوۂ حسنہ میں انسانی رہنمائی کیلئے آنحضرت صلعم کا کامل بحیثیت انسان کامل دکھلایا گیا ہے ۔ ام الالسنہ ۔ ایک جدید تصنیف ہے ۔ اسمیں یہ دکھلایا گیا ہے ۔ کہ زبان عربی دیگر زبانوں کی ماں اور الہامی زبان ہے +

ذرات عالم کا مذہب

قیمت ۸ ر تفصیل مضامین :۔ مذہب اور سائنس میں چولی دامن کا ساتھ ہے سب سے طاقتور ذرے یعنے انسان کا مذہب ۔ الہام ایک ضرورت حقہ ہے ۔ تناسب منتقدائی ارتقاء کی جان ہے ۔ اخلاق توازن جذبات کا نام ہے ۔ روح کی پیدائش اور فرائض ۔ روح ایک باشعور قوت نامیہ ہے تناسب منتقدائی ارتقاء کی جان ہے ۔ اخلاق توازن جذبات کا نام ہے ۔ روح کی پیدائش اور فرائض ۔ روح ایک باشعور قوت نامیہ ہے بعض لحوم ممنوعہ مثلاً ارتقائے انسانی صحیفۂ ارتقاء ۔ کفارہ پر ایمان لانا خود اپنی ہتک کرتا ہے ۔ مذہب سے متعلق خیالات باطلہ اور فاسدہ ترقی کیلئے سم قاتل ہیں ۔ اہل ہند کی حدیدیت پرستی اور اہل مغرب کی انسان پرستی ۔ رومن کلیسیا بہتر اور افضل ہے ۔ انسان کیلئے اپنی اصلاح ہی بہترین تسبیح ہے ۔ رب العالمین ۔ معبود +

دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ

سقراط ۔ مسیح ۔ حسین
مصنفہ شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی

تفصیل مضامین باب (۱) دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ باب (۲) سقراط باب (۳) مسیح باب (۴) حسین باب (۵) دنیا پر شہادت کا اثر ۔ کتاب نہایت ہی قابل دید ہے ۔ ہر سہ شہداء کی شہادت کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ کر کے پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت پر روشنی ڈالی ہے قیمت ۸ ر

اور وہ
اسی قسم
ان مر

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں

جدید تصنیف حضرت خواجہ جمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

پیرس کی عظیم الشان مذہبی کانفرنس کا تذکرہ غیر مسلمین و مسلمین سے اختلافی مسائل نبوت عیسیٰ و دوام عذاب پر علی الترتیب مکالمات موجودہ ہندو مسلم اتحاد ۔ فرقی اختلافات پر تنقیدی نظر تمام نظام عالم کا اصولی امور میں متحد ہو کر اپنی نوعیت میں اختلاف کرنا مسلم ہے اور اس کے متعلق صحیفۂ قدرت سے استدلال ۔ حدیث ان اللہ لا یجمع امتی او قال امۃ محمد علی ضلالۃ اور اختلاف امتی رحمۃ کی دلچسپ تشریح ۔ سب نام نہاد فرقہ ہائے اسلام کے اصول ایک ہیں ۔ حدیث اثنان سبعون فی النار و واحد فی الجنۃ وھی الجماعۃ یعنی بہتر آگ میں جائینگے اور ایک جنت میں اور وہی جماعت ہے کی تشریح ۔ شیعہ ہائے ایمان پر بحث اپنے عقاید کا اظہار ۔ نبوت کے معنے اور ختم نبوت پر سیر کن بحث ۔ نزول و وفات مسیح پر روشنی آنیوالے مسیح کے مسئلہ پر بحث ۔ جدید الخیال اصحاب قادیان کی نبوت پر مختصر جرح قدح مسیح ناصری اور مثیل مسیح پر افتراء غلو کی [illegible] ۔ جناب بہاء اللہ کی نبوت اور جدید الخیال احباب قادیان کی نبوت مخترعہ کا مقابلہ ۔ دنیا میں ضرورت نبوت ۔ اخیر میں ثابت کیا ہے کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ۔ الغرض کتاب موصوفہ بہت سے مذہبی معلومات کا بے بہا ذخیرہ ہے جس سے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں ۔ یہ کتاب امید ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں جمہور اہل اسلام کی محبت پیدا کریگی جو کوئی کسی فرقہ سے کیوں تعلق نہ رکھتا ۔ یہ اس تنگ حیثیت کو دور کریگی جو مختلف فرقہ ہائے اسلام آپس میں رکھتے ہیں ۔ اور اس سیاسی تصادم کے وقت جمیع مسلمانوں کو متفق و متحد ہو کر کام کرنے کے لئے تیار کریگی ۔ اس کتاب میں علماء دین کی خدمت میں بھی مودبانہ التماس کی گئی ہے کہ وہ آئے دن کے فروعی تنازعات و مناقشات کو دور کرنے کی کوشش فرمائیں کیونکہ اس سے مسلم قوم کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے ۔ اور مسلم قوم نے انہی خرخشوں کی وجہ سے بہت سی تکالیف اٹھائی ہیں ۔ ضخامت ۲۱۶ صفحہ قیمت قسم اول عہ قسم دوم ۱۲ علاوہ محصول ڈاک ہے

درخواستیں بنام خواجہ عبد الغنی مینیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور آنی چاہئیں

اسلامیہ پریس بیرون دروازہ لاہور میں حافظ مظفر الدین کے اہتمام سے چھپوا کر خواجہ عبد الغنی صاحب مینیجر اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا